دو شیخ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ



تالیف

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مکتبۃ الاسلام کراچی

دو شیخ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی عارفی قدس سرہ

تالیف

حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

مکتبۃ الاسلام کراچی

باهتمام : شاہد محمود

ناشر : مکتبۃ الاسلام کراچی

کورنگی، انڈسٹریل ایریا کراچی

موبائل : 0300-8245793

ای میل : Maktabatulislam@gmail.com

ویب سائٹ : Www.Maktabatulislam.com

ملنے کا پتہ

ادارۃ المعارف کراچی

احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی

موبائل : 0300-2831960

فون : 021-35123161 ، 021-35032020

ای میل : Imaarif@live.com

عرضِ مؤلف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علی عبادہ الّذین اصطفیٰ

أمّا بعد!

اللہ جل شانہ کا بے پایاں کرم اور بڑا ہی فضل واحسان ہے کہ اس نے اس نالائق کو سیدی وسندی ومولائی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں رہنے کا موقعہ عطا فرمایا، حضرت کے علوم وفیوض سے استفادہ کی توفیق بخشی۔ بندہ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جس طرح ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا، اس طرح فائدہ اٹھایا، لیکن ان کو دیکھنے، ان کی باتیں سننے، نصیحت فرمانے اور اصلاح وتربیت فرمانے کو دیکھا اور علم ہوا کہ متقی، پرہیزگار، عالمِ ربانی اور اللہ تعالیٰ کے ولی کیسے ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کے درجات بلند فرمائیں اور ان کی خدماتِ عالیہ کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائیں۔ آمین

حضرت والاؒ کی وفات پر البلاغ کے مفتیٔ اعظم نمبر کے لئے ایک مضمون ناچیز نے لکھا تھا، مناسب معلوم ہوا کہ اس کو الگ سے شائع کیا جائے تا کہ عام لوگ بھی حضرت والاؒ کی باتوں سے فائدہ اٹھائیں، نیز البلاغ کے مفتیٔ اعظم نمبر کے لئے احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ نے بھی ایک جاندار مضمون

لکھا تھا وہ بھی نافع اور مفید ہے وہ بھی اس کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ناچیز کو سیدی حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ عارفی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا اور حضرت کی مجالس سے بھی بہت فائدہ ہوا، حضرتؒ کے وصال کے بعد البلاغ کے خصوصی عارفی نمبر کے لئے بھی ایک مضمون لکھنے کا موقعہ ملا تھا، اس میں حضرت عارفی قدس سرہٗ کی عارفانہ اور حکیمانہ باتیں جمع کی ہیں۔ جو اکثر حضرتؒ کی زبانی سنیں تھیں، عام لوگوں کے نفع کے لئے وہ مضمون بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

حضرت والد صاحبؒ نے بھی حضرت عارفیؒ کے ارشادات جمع فرمائے تھے، وہ بھی شامل کئے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چاروں مضامین کو قبول فرمائیں اور مسلمانوں کے لئے نافع اور مفید بنائیں۔ آمین

بندہ عبدالرؤف سکھروی

۵/شعبان ۱۴۳۲ھ

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی کچھ مجالس اور ملفوظات صفحہ ۱۱۵ پر
ملاحظہ فرمائیں!

فہرست مضامین

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

شیخِ اوّل

سیدی وسندی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ ارشد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کے ارشادات، شفقت و رحمت،
تواضع و انکساری اور اندازِ تربیت

سیدی وسندی مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے چند اشعار

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے
تری ذات پاک ہے لازوال تری سب صفات ہیں بے مثال
تو برونِ وہم و خیال ہے تو ورائے عقل و قیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل نہ کسی چمن میں بہارِ دل
کہوں کس سے حالتِ زارِ دل کہ وہ ہر جگہ میں اداس ہے
ترا کچھ پتہ بھی جو پا گیا وہ تمام جہاں پہ چھا گیا
اسے اب کسی سے امید ہے نہ کسی سے خوف و ہراس ہے

میرے حضرتؒ

پہلی حاضری

۱۳۸۶ھ میں احقر مدرسہ اشرفیہ سکھر میں شرح وقایہ اولین حضرت مولانا احمد اللہ خان حمیدی مظاہری سہارنپوری مدظلہم العالی سے پڑھا کرتا تھا، وسطِ سال میں کراچی میں حسنِ قرأت کے ایک جلسہ میں مدرسہ اشرفیہ سے ہمارے استاذ قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ اوران کے بعض شاگردتشریف لیجارہے تھے، جن میں بعض طلباء احقر کے ہم درس بھی تھے، اوران دنوں ہماری جماعت مختصر ہی تھی، تقریباً صرف نو، دس افرادشریکِ درس تھے، احقر نے اس وقت تک کراچی شہر دیکھا نہ تھا۔صرف نام ہی نام سنا تھا، اور بڑی تعریفیں سنی تھیں اس لئے اس کے دیکھنے کا شوق تھا اوراس کے بارے میں عجیب تصور ذہن میں تھا کہ خدا جانے کیسا دل فریب اورخوبصورت شہر ہوگا اورکیسی کیسی خوبصورت عمارتیں ہوں گی، اسٹیشن کتنا آراستہ ہوگا۔

بہرحال! پوری جماعت حسنِ قرأت کے جلسہ میں شرکت کرنے اورکراچی کی سیاحت کے لئے تیار ہوگئی، احقر بھی ان کے ہمراہ تیار ہوگیا اورحضرت والد ماجد مدظلہم سے اجازت لے لی اورسفر پر روانہ ہوئے۔

کراچی کینٹ اسٹیشن پر جب اترے اسٹیشن کی سادگی دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ یہ کراچی کا اسٹیشن ہے؟ پھر جب اس سے نکلے تو ٹرام انتہائی بوسیدہ حالت میں دیکھی، اور پھر کچھ دور تک جھونپڑیوں اور خستہ حال دکانیں دیکھ کر عمدہ تصورات کی پوری عمارت منہدم ہوگئی اور پھر اس کے بعد الحمدللہ کبھی کسی شہر کے دیکھنے کا شوق پیدا نہ ہوا، الغرض دارالعلوم کورنگی کراچی میں حاضری ہوئی یہاں ایک متعلم مولوی اسلام الدین صاحب شکارپوری دارالطلباء میں رہا کرتے تھے جو حضرت والد ماجد مدظلہم کے شاگرد تھے، اور احقر سے محبت کرتے تھے ان کے کمرہ میں قیام ہوا اور ظہر کی نماز کے بعد انہی کی راہنمائی میں مسجدِ دارالعلوم کے شمالی دروازہ سے جس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نکلنے کا عام معمول تھا، جو درس گاہوں کے درمیان سے ہوتا ہوا دارالافتاء اور وہاں سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی طرف چلا جاتا تھا، اس راستہ پر مسجد سے نکلنے کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، حضرت مفتی صاحبؒ سے احقر نے سلام کیا اور اپنا مختصر تعارف کرایا، چونکہ حضرت والدِ ماجد مدظلہم کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا تعلق عرصہ سے قائم تھا، اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جلد ہی پہچان گئے اور خیریت دریافت فرماتے رہے، پھر تعلیم کے بارے میں دریافت فرمایا، احقر نے شرح وقایہ اور اس کے ساتھ کی دیگر کتب عرض کیں سُن کر فرمایا کہ بھائی! آدھے مولوی تو بن گئے، یہ جملہ حضرت نے کچھ ایسے پیار بھرے اور شفقت بھرے انداز سے فرمایا کہ آج تک یہ ذہن میں محفوظ ہے، بعد کی باتیں کیا ہوئیں کچھ یاد نہیں۔ پھر حضرت والا موجودہ دارالافتاء میں تشریف لائے، یہ عمارت اس وقت بالکل نئی نئی بنی تھی اور اس میں کتابوں کی

الماریاں نصب ہو رہی تھیں، کام دیکھ کر حضرت گھر تشریف لے گئے جو دارالافتاء کے پیچھے ہے اور احقر واپس آ گیا یہ احقر کی سب سے پہلی ملاقات تھی۔

دوسری حاضری

اس کے بعد پھر سکھر میں کسی اہم اجتماع میں حضرت والدؒ تشریف لائے اور جمعہ کی نماز سے پہلے قدیم جامع مسجد میں حضرت کا خطاب ہوا، وہاں زیارت ہوئی، بیان یاد نہیں، البتہ حضرت والد ماجدؒ نے وہ بیان قلمبند فرمالیا تھا جو البلاغ ...ہر میں غالباً ان کے مضمون کا جز بن گیا ہے، پھر اسی موقعہ پر یا غالباً کسی دوسرے ...وقعہ حضرت والا سکھر تشریف لائے ہوئے تھے تو حضرت والد ماجد مدظلہم حضرت کو ہمارے گھر لائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت گھوڑا گاڑی میں تشریف لائے تھے، گلی سے باہر گاڑی رکی اور حضرت گاڑی پر سے اترے اور اس وقت ...ضرت سفید لباس میں ملبوس نورانی چہرہ اور عجیب پر انوار شخصیت معلوم ہو رہے تھے، گھر تشریف لائے اور دسترخوان بچھایا گیا، جاپانی پھل اس زمانے میں شروع ہی ہوا تھا اور ہم نے نام ہی نام سنا تھا، دیکھا بھی نہ تھا۔ غالباً سب سے پہلے ہمارے گھر حضرت ہی کے لئے یہ پھل آیا، حضرت والاؒ نے پسند فرمایا مزید کچھ باتیں فرمائیں جو یاد نہیں مگر احقر برابر حاضرِ خدمت رہا اس کے بعد پھر ایک طویل عرصہ تک کوئی ملاقات نہ ہوئی، یہاں تک کہ احقر موقوف علیہ میں پہنچ گیا اور وہاں میں فراغت کے بعد دورۂ حدیث دارالعلوم کورنگی میں پڑھنا طے ہوا۔

دورِ سعید

چنانچہ شوال ۱۳۸۹ھ میں دارالعلوم کراچی حاضر ہوا اور دورۂ حدیث کے

امتحانِ داخلہ سے فارغ ہو کر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت حضرت والا، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہ کے قدیم مکان کے صحن میں تشریف فرماتے، سردیوں کا موسم تھا، دھوپ میں چارپائی پر آرام فرماتے اور طبیعت علیل تھی، گھر سے باہر نہیں آتے تھے اور آج کل دفترِ استقبالیہ میں جو بید کے صوفے بچھے ہیں، وہ اس وقت حضرت کی چارپائی کے اردگرد رکھے ہوئے تھے جن پر اساتذہ کرام، منتظمین اور تخصص کے طلباء آکر بیٹھا کرتے اور حضرت سے مستفید ہوتے، حضرت نے میرے داخلہ اور قیام وطعام کے متعلق دریافت فرمایا، احقر نے عرض کیا کہ سب انتظام ہو گیا ہے، اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی، احقر حضرت کی مجلس میں پابندی سے حاضر ہوتا جو اتوار کو عصر کی نماز کے بعد ہوتی تھی، اور جمعہ کے روز بھی عصر کے بعد ہوتی اور جب صحت ٹھیک ہوتی تو روزانہ بھی عصر کے بعد مجلس ہوا کرتی اور یہ سب مجلسیں موسم کی تبدیلی سے کبھی دارالافتاء میں اور کبھی دارالافتاء کے باہر چبوترے پر مولری کے درخت کے نیچے ہوتیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز عصر کے بعد اول گھر تشریف لے جاتے جہاں عصر کے بعد چائے نوش فرمانے کا معمول تھا، اس سے فارغ ہو کر تشریف لاتے، اتنے میں معتقدین اور مستفیدین جمع ہو جاتے اور جب تشریف لاتے تو اچھا خاصا اجتماع ہو جاتا اور حضرت والا ایک چوکی پر، جس پر گدّہ اور گاؤ تکیہ لگا ہوتا، جلوہ افروز ہوتے، صحت کے زمانہ میں کبھی ملفوظاتِ عالیہ ارشاد ہوتے اور کبھی کسی خاص موضوع پر بیان فرماتے جو انتہائی مفید اور بے شمار علوم و معارف پر مبنی ہوتا اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا عملی مشاہدہ ہوتا ۔

بنی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

افسوس ہے کہ احقر اپنی تحریر کی سست رفتاری کی وجہ سے ملفوظات ومواعظ تحریر نہ کرسکا، چند ایک ملفوظ جو اتفاقاً لکھ لئے تھے اور جو باتیں زبانی سن کر یاد رہیں اور جو اہم باتیں حضرت میں نمایاں طور پر پائیں وہ اپنی ناقص بساط کے مطابق تحریر کرتا ہوں، شاید کسی کی فلاح کا ذریعہ بن جائیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند ہوں اگر ان میں کہیں غلطی ہو تو وہ احقر کی کوتاہی ہے اور جو کچھ درست ومفید پائیں وہ حضرت کا فیض ہے۔ واللہ الموفق والمعین.

ارشادات

ایک بار ارشاد فرمایا:۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ چالیس سال تک رحمت باری تعالیٰ کے موضوع پر وعظ فرماتے رہے، اس کے بعد خیال آیا کہ کہیں لوگ رحمتِ باری تعالیٰ کو سن سن کر اعمالِ صالحہ کرنے سے نہ رُک جائیں، چنانچہ ایک روز شیخ نے خوفِ باری تعالیٰ کے موضوع پر وعظ فرمایا، جس کا لوگوں پر اتنا اثر ہوا کہ جلسہ میں سے چار پانچ آدمی فوت ہو گئے، اور شیخ پر عتاب ہوا کہ کیا میری رحمت چالیس سال میں ختم ہو گئی؟

ایک بار ارشاد فرمایا: امام غزالی رحمۃ اللہ کے درس میں پانچ سو پگڑیاں شمار کی جاتی تھیں، مراد اس سے علماء ہوتے تھے، اس زمانہ میں طلباء پگڑی نہیں باندھا کرتے تھے، بلکہ پگڑی پورا عالم ہی باندھا کرتا تھا، غور کرو طلباء اور عوام کی کتنی کثرت ہوتی ہوگی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعۂ بالا کے تحت حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ مبتدی کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم کی ''کتاب الخوف'' کا مطالعہ نہ کرنا چاہیے، کیونکہ یہ امام نے اس حالت میں لکھی ہے جب کہ ان پر خوف کا غلبہ تھا، اس کے پڑھنے سے بعض دفعہ انسان خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر خیال کرنے لگتا ہے کہ میری مغفرت ہوگی یا نہیں۔

عورتوں کے پردہ کا مطلب

ایک بار ارشاد فرمایا:۔ لوگ عورتوں کے پردہ کا مطلب غلط سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ بس انہیں چار دیواری میں بند رہنا چاہیے اور اسی کو پردہ کا صحیح مفہوم سمجھتے ہیں، بلکہ جس طرح ہمارا دل ہے اور خواہشات ہیں اس طرح ان کی بھی خواہشات ہیں، ان کا بھی خیال رکھنا چاہیے، اور ان کو اتنی راحت پہنچانی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو قیدی محسوس نہ کریں اور ان کو پردہ میں شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے تمام تفریحات کرا دینی چاہئیں، اور اتنی کرا دیں کہ وہ خیال کرنے لگیں کہ بے پردہ ہونے کی صورت میں بھی اتنی تفریحات نہیں کر سکتیں تھیں جتنی ہم نے پردہ میں کرلیں، چنانچہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ کو تمام تفریحی مقامات پردہ ہی میں دکھا دیئے اور وہاں لے گیا، حتی کہ انہوں نے خود کہہ دیا کہ یہاں تو سب خرافات ہی خرافات ہیں، گھر میں رہنا بہتر ہے، ایسا کرنا اپنی وسعت کے مطابق بہتر ہے۔

ذکر کی بنیاد

ارشاد فرمایا: ذکر کی بنیاد یہ ہے کہ ذکر خوب توجہ سے کرے اور انسان کا دل

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ اور یہ دولت کثرتِ ذکر اور صحبتِ اولیاء سے حاصل ہوتی ہے۔

مصلحت بینی

ارشاد فرمایا: لوگ مصلحت بینی میں بہت افراط میں مبتلا ہیں، حتی کہ اچھے خاصے دیندار، سمجھدار لوگ بھی مبتلا ہیں اور کہتے ہیں کہ بھئی کیا کریں حالات نے ایسا مجبور کیا، کرنا ہی پڑا، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ مصلحت بینی، دفعِ مضرت (نقصان دور کرنے کی حد) تک تو جائز ہے، جلبِ منفعت (نفع حاصل کرنے) کے لئے جائز نہیں۔

دہلی کے حکیم عبدالمجید دہلوی کی حذاقت کا حیرت ناک واقعہ

ایک بار حضرتؒ نے دہلی کے مشہور حکیم، حکیم عبدالمجید دہلوی کی حذاقت کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ: حکیم عبدالمجید دہلوی دہلی کے مشہور حکیم تھے اور ان کے متعلق بہت عجیب وغریب واقعات منسوب تھے جو کرامات سے معلوم ہوتے تھے، بہت شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے اور بڑے بڑے امراء کو کان پکڑ کر نکلوا دیتے، ان کے سامنے کسی کو بولنے کی مجال تک نہ ہوتی، پھر بھی امراء ان کی خدمت ہی میں آتے اور منت وعاجزی کرتے۔

فن ایسی چیز ہے کہ اگر آجائے اور حاصل ہوجائے تو پھر اچھے اچھے آدمی عاجزی کرتے ہیں، اور آدمی بڑے راحت وآرام سے زندگی بسر کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب کا نبض دیکھنے کا بھی طریقہ عجیب تھا، نبض پر صرف ایک انگلی رکھتے اور اپنے شاگردوں کو فوراً مخصوص اشارہ فرمادیتے، شاگرد بھی اتنے حاذق اور تربیت یافتہ تھے کہ استاد کے اشاروں اور اندازوں کو خوف جانتے تھے، وہ اشارہ فرماتے

شاگرد نسخہ لکھ دیتے۔

واقعہ کی ابتداء

ایک دفعہ ایک انگریز دہلی آیا جو ڈاکٹر بھی تھا، آپ کی شہرت سن کر بطور امتحان حاضرِ خدمت ہوا اور مریضوں کی صف میں بیٹھ گیا، حکیم صاحب اپنے مخصوص طریقہ کے مطابق لوگوں کی نبض پر ایک انگلی رکھتے اور اشارہ سا کر کے آگے بڑھ جاتے حتی کہ اس انگریز ڈاکٹر کی نبض بھی دیکھی اور اشارہ کر دیا، شاگردوں نے فوراً نسخہ لکھ دیا، اس انگریز ڈاکٹر سے ضبط نہ ہو سکا اور کہا کہ کیا ماجرہ ہے؟ مجھے تو کوئی مرض نہیں، آپ نے یہ نسخہ کیسے تجویز کر دیا۔

حکیم صاحب نے پہلے خوب ڈانٹا کہ تمہیں اس سے کیا مطلب ہے؟ علاج کرانا ہے تو کراؤ ورنہ دفع ہو جاؤ، جب اس نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میں ڈاکٹر ہوں، تب آپ نے فرمایا: اچھا اب میں بتاتا ہوں، چنانچہ پڑھے لکھے لوگوں کو بتا دیا کرتے تھے، اور کہا کہ تم کو آج سے بیس سال پہلے ایک خطرناک مرض لاحق ہوا تھا اور تم متعدد علاج کرانے کے بعد صحت یاب ہوئے تھے اور بمشکل جان بچی تھی، اب پھر اُسی مرض کے اثرات اندر ہی اندر پیدا ہو رہے ہیں، لیکن ان کا ابھی ظہور نہیں ہوا، پندرہ روز کے بعد ان کا ظہور شروع ہوگا، میں نے اس کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا ہے۔

ڈاکٹر نے آزمائش کے طور پر نسخہ استعمال نہ کیا اور پندرہ روز کا انتظار کیا۔ چنانچہ ٹھیک پندرہ روز کے بعد اسی مرض کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور تکلیف ناقابلِ برداشت ہوئی تو وہ سخت پریشان ہوا اور حکیم صاحب کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا اور صورتحال سے آگاہ کیا اور اس مرض کا کوئی نسخہ طلب کیا آپ نے انکار

فرما دیا بلکہ یہ بتا دیا کہ تمہارے اس مرض کا اب کوئی علاج نہیں اور تم اتنے دن زندہ رہ کر فلاں دن مرجاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صحبتِ شیخ

فرمایا:۔ آدمی جب تک شیخ کی صحبت میں نہ رہے اور اس کی سختی برداشت نہ کرے، (بلکہ اس زمانہ میں تو لوگ نرمی بھی برداشت نہیں کرتے) فائدہ نہیں ہوتا۔

حضرت سے سُنے ہوئے اشعار

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیان میں موقعہ بموقعہ اردو، فارسی اور عربی کے اشعار بھی پڑھا کرتے تھے اور ایسے برمحل پڑھتے کہ سُن کر روح پھڑک اٹھتی اور

ان من الشعر حکمة.

کا پورا ظہور ہوتا۔ سامعین جھوم جاتے اور قلوب پر بیحد اثر ہوتا۔ شاہِ ظفر کے یہ اشعار حضرت والا سے بارہا سنے تھے ؎

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے عیوب پہ جو نظر
تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

ooooo

ظفر آدمی نہ اس کو جانئے گا
خواہ ہو وہ کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی
جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

حضرت کا عجیب شعر

ایک بار حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شروع میں میری طبیعت میں شوخی تھی، چنانچہ مضامین بھی اسی انداز کے لکھا کرتا اور بعض دفعہ شوخِ طبع سے کچھ اشعار بھی اسی انداز کے نکل جاتے، یہ ایک شعر بھی اسی زمانہ کا ہے جو غلام احمد قادیانی کے متعلق ہے۔

تم ابوذر بھی ہو، خالد بھی ہو، سلمان بھی ہو
صرف اتنا تو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

حضرت کے عطا فرمودہ اشعار

ایک مرتبہ احقر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضرت والا کچھ قدیم خطوط و اوراق پھاڑ کر کنڈی کی ٹوکری میں ڈال رہے تھے، اسی اثناء میں ان اوراق میں سے ایک قدیم ورق آپ نے لے کر درمیان سے تھوڑا سا پھاڑا پھر رُک کے اور احقر کو عنایت فرمایا اور فرمایا کہ میں اِسے پھاڑنا چاہتا تھا مگر خیال آیا کہ آپ کو دیدوں، شاید آپ کے کام آجائے، احقر نے بصد شکر انہیں لے لیا، واپس آکر کاغذ کھول کر دیکھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قلم سے درج ذیل اشعار اس میں تحریر تھے، انہیں پڑھ کر احقر کی روح پھڑک اٹھی اور عجیب کیف طاری ہوا، آج بھی جب انہیں پڑھتا ہوں تو عجب روحانی سرور پاتا ہوں ؎

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے، یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں، یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے
تیری ذات پاک ہے لازوال، تیری سب صفات ہیں بے مثال
تو برونِ وہم و خیال ہے، تو وراءِ عقل و قیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل، نہ کسی چمن میں بہارِ دل
کہوں کس سے حالتِ زارِ دل، کہ وہ ہر جگہ پہ اُداس ہے
ترا کچھ پتہ بھی جو پاگیا، وہ تمام جہاں پر چھا گیا
اُسے اب کسی سے امید ہے، نہ کسی سے خوف و ہراس ہے

ایک شعر

ایک مرتبہ دورانِ تقریر یہ شعر پڑھا ؎

ذکر اتنا کیا تیرا ہم نے
قابل ذکر ہوگئے ہم بھی

حضرت کی شانِ تواضع

حدیث شریف میں ہے:

من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ. (او کما قال)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کردیتے ہیں۔''

اس حدیث میں تواضع اور اس کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ تواضع کا حاصل یہ ہے کہ بالقصد اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو فی الحال یا فی المآل

اپنے سے بہتر سمجھے، اس کا ثمرہ یہ ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بلند مرتبہ اور اونچا مقام عطا فرمائیں گے۔

یہ وصف حضرت رحمۃ اللہ کی ذاتِ اقدس میں علی وجہ الکمال موجود تھا، حضرت والا اپنے کو ایسا مٹائے اور فنا کئے ہوئے تھے کہ بالکل لاشی محض سمجھتے تھے، ہیئت، وضع قطع، چال ڈھال قول وفعل اور تقریر وتحریر سب سے یہ وصف نمایاں ہوتا تھا۔

چارپائی پر بیٹھنا گوارہ نہ فرماتے

آخرِ عمر میں اکثر چارپائی پر آرام فرما ہوتے، اور اکثر اسی پر بیٹھ کر عوام وخواص کو مستفید فرماتے لیکن جمعرات کو اساتذہ کی خصوصی اصلاحی مجلس ہوتی، اس میں باوجود ضعف ونقاہت اور سخت علالت کے چارپائی سے نیچے فرش پر تشریف فرما ہوتے اور چارپائی پر بیٹھنے سے حیاء فرماتے، حالانکہ تقریباً تمام اساتذہ ان کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہوتے، اور پھر بار بار فرماتے کہ مجھے آپ حضرات کے سامنے اوپر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے، تمام اساتذہ کرام اوپر ہی آرام فرمانے پر اصرارِ شدید فرماتے مگر حضرت اس کو گوارہ نہ فرماتے حتی کہ سب حضرات کے نیچے بیٹھنے سے دلگیر ہوتے، اگر طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی اور نیچے آنے کی سکت نہ ہوتی تو چارپائی پر تشریف رکھتے ہوئے بار بار عذر فرماتے رہتے اور اساتذہ کے ساتھ بڑے ہی احترام سے پیش آتے، اور اتوار کو جو مجلس عام ہوتی اس میں بھی حضرت چارپائی پر بیٹھنے کا عذر بار بار فرماتے کہ میں اپنی علالت اور ضعف کی وجہ سے لاچار ہوں ورنہ آپ حضرات سے بلند ہوکر بیٹھنے کو دل بالکل گوارا نہیں کرتا اور کئی بار تو یہاں تک فرماتے ہوئے سنا کہ میں آپ سب حضرات کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ حضرات کو آنے سے نفع ہو یا نہ ہو، مگر

میں باطن میں ضرور نفع محسوس کرتا ہوں چنانچہ حضرت اس اجتماع کی بیحد قدر فرماتے اور کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے، اگر بولنے کی طاقت نہ ہوتی تو خاموش لیٹے رہتے مگر مجلس ضرور ہوتی، سب لوگ کچھ دیر کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کر کے اور مصافحہ کر کے جاتے اور حضرت والا کبھی فرما دیتے کہ نفع باطنی کے لئے بولنا ضروری نہیں، بغیر بولے بھی (یقیناً) نفع ہوتا ہے۔

چوکی پر بیٹھنے کی وضاحت

صحت کے زمانہ میں مجلس عام کے وقت ایک چوکی پر تشریف فرماتے، اس کے بارے میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ہی میں فرمایا کہ آپ حضرات سے اوپر ہوکر بیٹھنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی، لیکن نیچے بیٹھنے میں دوسروں کو دیکھنے اور سننے میں تکلیف ہوگی اس لئے اس پر بیٹھ جاتا ہوں۔

جب کوئی بزرگ شہر سے یا کراچی کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا ملک سے تشریف لاتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی عاجزی کے ساتھ ملتے اور دیر تک انتہائی متواضعانہ گفتگو فرماتے اور یہاں تک فرماتے: ''حضرت! میں اس قابل کہاں؟ کہ کوئی میری ملاقات کو آئے، آپ نے مجھ پر بڑا ہی کرم فرمایا، میں خود ہی حاضر ہوتا مگر ضعف وعلالت کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا''، اللہ اللہ کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔

بچوں پر شفقت

تواضع کا غلبہ اس قدر تھا کہ اتنی عظیم شخصیت ہونے کے باوجود چھوٹوں اور بچوں سے انتہائی شفقت فرماتے اور بڑی محبت فرماتے، گھر کے بعض بچے ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کے شوقین ہوتے تو حضرت والا آنے والے خطوط سے وہ ٹکٹ

محفوظ رکھتے اور ان کو عطا فرما کر انہیں خوش کرتے اور ان سے بھی شفقت بھری گفتگو فرماتے۔

احقر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پوتوں کے ہم عمر تھا، احقر کے ساتھ بھی بیٹوں اور پوتوں کی طرح بے انتہاء شفقت فرماتے، ایک موقعہ پر اپنے صاحبزادگان سے یہاں تک فرمایا کہ یہ یعنی (احقر) میرے بیٹے ہی کی طرح ہے اور احقر اکثر نماز فجر کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں ملتا تو راستہ میں بڑی محبت سے مزاج پوچھتے اور اکثر یہ جملے ارشاد فرماتے، ملا سکھر یا ملا مسکین، کیا حال ہے؟ یہ جملے ایسی شفقت و محبت بھرے انداز میں فرماتے کہ احقر کی روح اور رگ رگ وجد کر اٹھتی اور آج تک ان جملوں کی شرینی قلب میں محسوس ہوتی ہے، آہ! اب یہ جملے سننے کے لئے کان بے قرار ہیں مگر کوئی کہنے والا نہیں!!

حضرت کی شان تواضع یہ ہے کہ ایک روز فرمانے لگے کہ بھئی آپ لفظ "ملا" سے دلگیر تو نہیں ہوتے؟ یہ لفظ تو بڑے بڑے علماء کے لئے استعمال ہوتا تھا، احقر نے عرض کیا حضرت اس جملہ سے دلگیر ہونا کیسا؟ میں تو اس کو اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتا ہوں، اس پر بہت خوش ہوئے، بعض مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی احقر پر اتنی شفقتیں ہوتیں کہ والدین کی شفقتیں بھول جاتا اور بے انتہا سکون اور عافیت محسوس ہوتی، اللہ اللہ۔

ڈاکو کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا: یہ واقعہ (جو ابھی آتا ہے) میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ

حضرت گنگوہیؒ سے سنا، واقعہ یہ ہے کہ ایک ڈاکو تھا، ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گذری جب بوڑھا ہوگیا جسم میں طاقت نہ رہی، اعصاب کمزور ہوگئے، اور ڈاکہ ڈالنے سے عاجز ہوگیا تو فاقوں کو نوبت پہنچنے لگی اور گذر بسر کی کوئی صورت نہ رہی، آخر اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے، دوستوں نے مشورہ دیا کہ پیر بن جاؤ سبز رنگ کا تہبند، سبز رنگ کا چوغا اور موٹے موٹے منکوں کی تسبیح اور ایک لمبا عصا لے کر کسی گاؤں کے باہر بیٹھ جاؤ اور یاد خدا میں مشغول رہو اور تصوف کی ایک دو کتاب مطالعہ میں رکھو اور جھاڑ پھونک شروع کرو، پھر دیکھو کہ کیسی موج ہوتی ہے، پہننے کو کپڑے، کھانے کو طرح طرح کے کھانے، خدمت کے لئے ہمہ وقت خادم موجود ہوں گے اور زندگی راحت سے گذرے گی کچھ کرنا نہ پڑے گا۔

اس نے ایسا ہی کیا اور پیر بن کر کسی بستی کے باہر درخت کے نیچے بیٹھ گیا، چند روز تک لوگوں نے کوئی توجہ نہ دی، مگر اس کے مستقل قیام اور شغل عبادت نے ان کے ذہنوں میں ان کے بزرگ اور خدا رسیدہ ہونے کا خیال جما دیا، بستی میں کسی کا بچہ بیمار ہوا، دم کے لئے اس کے پاس آئے اور دم کرنے کی درخواست کی، اس نے دم کر دیا اور تعویذ لکھ دیا، بچہ تندرست ہوگیا، بچہ کا تندرست ہونا تھا کہ پوری بستی میں اس کی بزرگی، للّٰہیت کی شہرت ہوگئی اور لوگ اپنی مشکلات میں دعائیں کرانے کے لئے حاضر ہونے لگے اور نذرانے آنے لگے اور چند ہی روز میں اچھا خاصا کام چل گیا، اور دکان جم گئی، کھانے پہننے کی کمی نہ رہی، خدمت گار، عقیدت مند ہر وقت حاضر باش رہنے لگے اور زندگی بڑے آرام سے گذرنے لگی۔

جب اس کی بزرگی کی شہرت دور، دور تک ہوئی تو کچھ مخلص لوگ بھی اللہ کا نام اور اس کا راستہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے اور خلوص سے اللہ کی اطاعت کرنے لگے، اور یہ ڈاکو پیران کے اشکالات اور احوال کی اصلاح تصوف کی کتابوں کے ذریعہ کرتا رہا، یہاں تک یہ سب اپنے وقت کے کامل ولی ہو گئے۔ اور مراقبہ کے ذریعہ ہر ایک کا مقام معلوم کرنے کے قابل ہو گئے، ایک روز ان سب نے سوچا اپنے حضرت کا مقام معلوم کرنا چاہئے، وہ کس مرتبہ پر ہیں؟ چنانچہ یہ سب کے سب مراقبہ میں بیٹھے اور دیر تک اپنے شیخ کا مقام دریافت کرتے رہے مگر سر توڑ کوشش کے باوجود ان کے مقام تک رسائی نہ ہو سکی، آخر مراقبہ سے نکلے اور سب اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے ہم سے سخت گستاخی ہوئی، ہم اس قابل کہاں کہ حضرت کا مقام معلوم کریں، حضرت کا مقام اتنا بلند ہے ہم میں اس کے معلوم کرنے کی استعداد ہی نہیں، چل کر حضرت سے معافی مانگنی چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو ہماری اس گستاخی سے یہ عطا شدہ دولت بھی چھن جائے، چنانچہ خلوت میں یہ سب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گستاخی ذکر کر کے معافی چاہنے لگے، ڈاکو کی توبہ صادق کا وقت آچکا تھا فوراً اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹپ ٹپ نیچے گرنے لگے اور اس نے کہا کہ تم لوگ میرا مقام کہیں اعلیٰ علیین میں تلاش کرتے ہوں گے، میرا مقام تو کہیں اسفل السافلین میں ڈھونڈتے تو ملتا، اصل بات یہ ہے کہ میں تو ڈاکو ہوں، ساری زندگی ڈاکہ زنی میں گزری جب بوڑھا ہو گیا اور ڈاکہ ڈالنا بس میں نہ رہا تو زندگی گذارنے کے لئے یہ مصنوعی پیر بننے کا ڈھونگ رچایا، اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو آپ کے خلوص کی بدولت نواز دیا ورنہ میری حقیقت اس سے زیادہ نہیں جو بیان کی

اور یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہا میں آج صدق دل سے تمہارے سامنے اللہ سے توبہ کرتا ہوں، آپ حضرات بھی میرے لئے دعا کریں، اللہ پاک مجھے معاف کردے اور میری توبہ قبول فرمائے، مریدین نے جب اپنے شیخ کا یہ حال سنا، تو رنج وغم سے ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ بھی سب رونے لگے، اور دل سے اپنے شیخ کے لئے نہایت مضطربانہ دعا کرنے لگے۔ اللہ پاک نے ان کی دعاؤں کی برکت اور شیخ کی خالص توبہ سے شیخ کو اسی وقت اولیاءِ کاملین کی صف میں داخل فرما دیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا ہمارے یہ اکابر ہمارے اپنے کو اسی طرح ہیچ در ہیچ اور کسی قابل سمجھتے ہی نہ تھے حالانکہ سب کچھ تھے، علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے تھے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کا خود بھی یہی حال تھا، آپ سے زیادہ متواضع آج تک کسی کو نہ دیکھا، آپ پر حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بالکل صادق آتا ہے کہ ''وہ توامیر المتواضعین '' تھے، چنانچہ کامل تواضع کا ثمرہ اللہ نے دنیا ہی میں ظاہر فرمایا کہ پاک وہند کی ممتاز ترین شخصیت ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایک عالمی شخصیت بنایا تھا۔ اللہ پاک حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما کر بے انتہا درجات بلند فرمائے۔ آمین

شانِ خوش روئی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس میں ایک وصف عظیم طلاقتِ وجہ یعنی خوش روئی سے ملنا تھا، احقر نے اسے حضرت کی ذاتِ گرامی میں علیٰ وجہ

الکمال پایا جو عین سنت کے مطابق ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ! اس نالائق کو پانچ چھ سال خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اس میں سینکڑوں مرتبہ خلوت وجلوت، صحت وضعف اور مختلف حالات میں بار بار ملاقات کا موقع ملا، ان ملاقاتوں میں احقر کو ایک ملاقات بھی ایسی یاد نہیں جس میں احقر ملا ہو، اور حضرت مسکرا کر نہ بولے ہوں، جب بھی ملا ہمیشہ مسکرا کر بات فرماتے، یہ حال عین سنت کے مطابق ہے اور بہت ہی رفیع حالت ہے۔ حضرت کے علاوہ اور کسی میں اس درجہ کا یہ کمال آج کے علماء میں بہت ہی کم دیکھا، بالخصوص امراء تو اس دولت سے محروم ہی ہیں الا ماشاء اللہ۔ وجہ یہ ہے کہ یہ وصف بھی تواضع سے پیدا ہوتا ہے، آج کل چونکہ تواضع عنقاء ہے، نہ علماء میں ہے نہ صلحاء میں، نہ صوفیاء میں ہے نہ امراء میں، نہ طلباء میں ہے اور نہ عام لوگوں میں، سب جگہ کبر ہی کبر کارفرما ہے الا ماشاء اللہ، اس لئے آثارِ کبر نمایاں ہیں اور آثارِ تواضع مفقود۔

طلباء سے محبت اور ان کی اصلاح کی فکر

حضرت والا طلباء سے بے حد محبت فرماتے تھے، جس کا اظہار مختلف انداز سے ہوتا رہتا، سب سے زیادہ اس کا اظہار اس وقت فرمایا جب جناح ہسپتال کے شعبۂ امراضِ قلب میں داخل تھے، حضرت ہسپتالوں میں جانے کو بالکل ناپسند فرماتے تھے۔ بادلِ ناخواستہ تشریف لے جاتے اور جلد گھر آنے کی کوشش کرتے، پہلی مرتبہ جب دل کا دورہ پڑا اور جناح ہسپتال میں داخل ہوئے، اور وہاں آپ کو تقریباً ایک ماہ رہنا پڑا، اس عرصہ میں حضرت والا کے صاحبزادگان، دیگر اہل خانہ و اہل خاندان اور مدرسہ کے اساتذہ اور تلامذہ نے جو خدمات انجام دیں وہ

قابلِ رشک ہیں، ایک روز آنسو بہاتے ہوئے فرمانے لگے، میں یہاں کہاں آپڑا؟ میری برادری طلباء ہیں، انہیں میں میں نے آنکھیں کھولیں، انہیں میں پلا بڑھا، جوان ہوا اور انہیں میں مرنا چاہتا ہوں، اللہ اللہ طلباء سے کس قدر محبت تھی، چنانچہ ہمیشہ ان کی اصلاح کی فکر رہتی، نمازِ فجر میں طلباء کی صفیں ملاحظہ فرماتے، اگر کم ہوتیں تو اسی روز یا اور کسی روز طلباء کو جمع فرما کر وعظ فرماتے اور بہت ہی دلسوزی سے انہیں سمجھاتے جس کا اثر یہ ہوتا کہ دوسرے روز ہی صفیں پوری ہوجاتیں اور آخر میں تو طلباء کی اصلاح کے لئے باقاعدہ ہفتہ میں ایک روز مقرر فرمالیا تھا، شبِ اتوار میں مغرب سے عشاء تک طلباء سے خطاب فرماتے اور ضعف وعلالت کے باوجود حتی الامکان اس کا پورا اہتمام فرماتے اور ہر کام میں حضرت کا یہی معمول تھا کہ جب کوئی کام شروع فرماتے تو اس کو ہمیشہ پابندی سے نباہتے اور حتی الوسع اس کو ناغہ نہ فرماتے۔

حضرت کا یہ بیان بہت پُر لطف، پرکیف اور پُر اثر ہوتا، علمی، عملی، ادبی، تاریخی، فقہی اور قرآن وحدیث کی تشریحات پر مبنی ہوتا، اور حضرت اپنی جہاں دانی کے عجیب وغریب واقعات سناتے، کبھی لطائف سنا کر ہنساتے اور کبھی ایسے عبرتناک واقعات سناتے کہ مجلس پر سناٹا چھا جاتا اور اہلِ مجلس پر بیحد اثر ہوتا، متعدد بار کئی ہفتوں تک درج ذیل آیت:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (یونس: ۱۲۲)

پر بیان فرمایا، جس میں طلباء کا پورا نصابِ زندگی بڑے شرح وتفصیل سے

بتلایا اور سمجھایا، جس کی کچھ تفصیلات معارف القرآن میں آیت بالا کے ذیل میں معارف ومسائل کے تحت آ گئی ہیں، اور اس کی ایک مجلس البلاغ میں شائع بھی ہوئی ہے، جو ٹیپ کر لی گئی تھی، بہر حال اب اس کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں صرف چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

خلاصۂ زندگی

ایک مرتبہ طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں اپنی اسی (۸۰) سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو! یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیا داروں اور دینداروں کا تجربہ کر کے، اور زندگی کے تمام اتار، چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں۔ (یعنی تعلیم وتعلم) اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لئے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں، یہ سب سے بہتر اور افضل ہے، اور اگر خدانخواستہ مقصود اس کام سے رضائے الٰہی نہیں، دنیا کمانا پیشِ نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ العیاذ باللہ۔

لوگوں کی چار قسمیں

ایک بار طلباء سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انسانوں کی چار قسمیں ہیں۔

(۱)......جن کے نہ دل میں دنیا اور نہ ہاتھوں میں دنیا، ایسے بہت سے انبیاء

علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔

(۲)...... وہ جن کے دل میں دنیا نہیں، مگر ہاتھوں میں دنیا رہی، اس طرح کے بعض انبیاء جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور بہت سے اولیاء اللہ رہے ہیں، جیسے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کہ ان کے شاہانہ انداز کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا بدلتے اور پھر کبھی دوبارہ وہ بدن پر نہیں آتا تھا۔

(۳)...... وہ جن کے دل میں دنیا اور ہاتھوں میں بھی دنیا، اکثر مالدار ایسے ہی ہیں۔

(۴)...... وہ جن کے دل میں تو دنیا ہے مگر ہاتھ دنیا سے خالی ہیں۔

ان چاروں میں سب سے خسارہ والا چوتھے نمبر والا شخص ہے جس کے ہاتھ دنیا سے خالی اور دل دنیا اور حبِّ دنیا سے لبریز ہے، یہ شخص انتہائی قابلِ رحم، مسکین اور حقیقی مفلس ہے، اگر ہماری نیت تحصیل علم دین سے معاذ اللہ حق تعالیٰ کی رضا نہیں بلکہ دنیا کمانا مقصود ہے جیسا کہ عام رواج ہے کہ اس لئے پڑھتے ہیں کہ پڑھ کر کہیں مدرس ہو جائیں گے، امام وخطیب بن جائیں گے تو ایسا شخص ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق ہے کیونکہ دنیا تو اس راستہ میں کبھی حاصل ہوئی نہیں، ہاں آخرۃ حاصل ہوا کرتی ہے، وہ اس غریب نے حاصل نہ کی کیونکہ نیت ہی نہ تھی، اس لئے دونوں جہاں میں ذلت ورسوائی اس کا مقدر ہوئی اور دونوں جہاں برباد ہوئے، لہٰذا محض حق تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

اصلاح خلق

یوں تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی مخلوق خدا کی اصلاح وتبلیغ میں گذری ہے، ایک طرف ملکی اور غیر ملکی کانفرنسوں میں شرکت ہے، تو دوسری طرف تحریری میدان میں بے شمار علمی، عملی اور اصلاحی تصنیفات وتالیفات موجود

ہیں اور چھوٹے بڑے پمفلٹ اور رسالے ہیں، کہیں رؤساء مملکت کو اصلاحی خطوط لکھے جارہے ہیں، کم ازکم ایوب خان سے لے کر بھٹو کے دور تک تو احقر کو معلوم ہے کہ ان تمام ہی کو کبھی زبانی اور کبھی تحریری سمجھایا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کی طرف بلایا، اور حسبِ موقع راہنمائی فرماتے رہے اور اخبارات میں بھی عمومی مسائل اور حکام کی غلط روش پر بیانات جاری ہوتے اور لوگوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ اشکالات دور کیۓ جاتے۔

اتوار کی مجلس

صحت کے زمانہ میں مسجد دارالعلوم میں نمازِ جمعہ سے پہلے خطاب عام فرماتے جو بیحد مؤثر ہوتا اور آخرت کی فکر پیدا کرنے والا ہوتا اور ہفتہ میں اتوار کو بھی ایک مجلس ہوتی، جو شروع میں عصر سے مغرب تک ہوتی تھی، بعد میں گیارہ سے بارہ بجے تک ہوتی تھی، جس میں شہر اور اطرافِ شہر سے بڑی دور دور سے لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں، جس میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جن کا حضرت سے بیعت اور اصلاح کا تعلق ہوتا اور عام حضرات بھی، مجلس کی اثر انگریزی کا صحیح نقشہ کھینچنے کے لئے حقیقت یہ ہے کہ احقر کے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے اس کو بیان کیا جاسکے۔ حضرت کے بیان کا اتنا اثر ہوتا کہ آنکھیں ڈبڈبا آتیں، کلیجہ منہ کو آنے لگتا اور لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، ہفتہ بھر کے قلوب کا زنگ دور ہوجاتا، آخرت سامنے محسوس ہونے لگتی، دنیا کی محبت کافور ہوجاتی، ذکر کے لئے دل تڑپ جاتا، اتباعِ سنت کی فکر ہونے لگتی اور مجلس میں شریک ہونے والے ہر شخص کے دل میں اس وقت تقریباً یہی جذبہ ہوتا کہ میں کسی طرح حضرت کے بیان کے مطابق ڈھل جاؤں، یہ سب حضرت کے خلوص، للّٰہیت

اور اصلاحِ خلق کی جو تڑپ آپ کے قلب میں تھی، اس کا اثر تھا۔

آخرِ عمر میں بار بار فرمایا کرتے کہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہوتا، بیکاری میں ایک ایک منٹ کوہِ گراں معلوم ہوتا ہے اور وقت گذارے نہیں گذرتا، ساری زندگی تو مشغولی میں گذری، اب فرصت میں وقت گذارنا بہت دشوار اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے حالانکہ اس وقت بھی آپ اتنے متفرق کام انجام دیتے تھے کہ آج وہ تمام کام آٹھ افراد بھی مل کر پوری طرح انجام نہیں دیتے۔ حضرت کا تن تنہا ان کو انجام دینا کرامت ہی معلوم ہوتا ہے۔ انہی ایامِ علالت میں حضرتؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تفسیر معارف القرآن جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، تصنیف فرمائی، جس میں تقریباً تین سال کا عرصہ لگا۔ اتنا عظیم الشان کام اس قلیل مدت میں اور ایام علالت میں مکمل کر لینا حضرت کی کرامت ہے، ورنہ ایسے مشکل ترین کام کے لئے برسہا برس کی ضرورت ہوتی ہے، ان ایام میں باطنی تربیت پانے والوں پر خاص توجہ فرماتے، اور جو ذرا بھی اصلاح کی فکر کرتا اور طالبِ اصلاح ہوتا، حضرتؒ سخت علالت کے باوجود قبول فرما لیتے اور کبھی کبھی تواضعاً فرماتے، اب میں کسی کام کا تو رہا نہیں، اسے ہی قبول کر لیتا ہوں، شاید کسی خدا کے بندے کو نفع پہنچ جائے۔

نمازِ فجر کے بعد دس منٹ کی مجلس

نوجوانوں کی درخواستِ اصلاح بڑی خوشی سے قبول فرماتے اور خاص توجہ فرماتے حتی کہ وفات سے ایک دو سال قبل طالبین کو یہاں تک اجازتِ استفادہ عطا فرمادی کہ وہ نمازِ فجر کے متصل حضرت کی خدمت میں آجایا کریں اور دس منٹ خاموش بیٹھ کر واپس چلے جایا کریں، احقر کو بھی کئی بار اس میں حاضری کا

موقع ملا۔ اللہ اللہ حضرت کے کمرہ میں عجیب حال ہوتا، طالبین خاموش سر جھکائے حضرت کے سامنے ہوتے اور حضرت ہاتھ میں تسبیح لئے ان کے سامنے چار پائی پر تشریف فرما ہوتے اور ذکر میں مشغول رہتے، کمرہ میں مکمل خاموشی ہوتی، کبھی کبھی حضرت کی زبان مبارک سے ذکر کا کوئی جملہ قدرے بلند ہو جاتا جس سے اس پُر کیف فضاء میں عجب روحانی لہر دوڑ جاتی، دل زندگی محسوس کرتے اور روح پھڑک اٹھتی، احقر نے اکثر یہ جملہ سنا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اور کبھی کوئی طالب اپنا کوئی باطنی اشکال پیش کرتا (جس کی اجازت تھی) تو حضرت والا اس کو اس طرح حل فرماتے کہ قلوب پوری طرح مطمئن ہو جاتے اور کبھی حضرت کا یہ بیان مفصل ہو جاتا اور تصوف کے جواہرات لٹتے نظر آتے، اور دس منٹ کی مجلس میں دل کی عجیب حالت ہوتی۔ حالت میں تغیر بالکل صاف محسوس ہوتا اور حضرت والا ایسے لگتے جیسے انوار و تجلیات میں ڈوبے ہوئے ہوں، آہ، حضرت کی وہ بات پوری ہو کر رہی جو کبھی کبھی طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ عزیزو! میری باتیں سن لو ان پر عمل کر لو۔ میرے بعد پھر ایسی باتیں سنانے والا نہ ملے گا۔ واقعۃً اب ایسی مجلس جو بیک وقت قرآن و حدیث، فقہ و افتاء، تاریخ و ادب، شعر و نثر اور روحِ تصوف اور بے شمار تجربات پر مشتمل ہو، کہیں نظر نہیں آتی۔

خود بخود اشکلات کا حل ہو جانا

آپ کی مجلس میں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میرے دل کی بات کہی جا رہی ہے،

احقر کا خود یہ حال تھا جب تک دارالعلوم میں حضرت کی خدمت میں رہتا کوئی باطنی اشکال ہی پیش نہ آتا اور کبھی کوئی پیش بھی آیا تو خدمتِ اقدس میں حاضری پر ہی خود بخود حل ہو گیا، بہت کم کبھی پوچھنے کی ضرورت پیش آتی، البتہ جب چھٹیوں میں سکھر جاتا تو بکثرت اشکالات پیش آتے، چنانچہ احقر کے اکثر اصلاحی خطوط وہی ہیں جو کراچی سے باہر رہنے کی صورت میں لکھے گئے ہیں۔ کراچی میں رہنے کے زمانہ کے خطوط بہت ہی کم ہیں۔

حضرت کا اندازِ تربیت

اب حضرت کی اندازِ تربیت کا ہلکا سا نمونہ پیش کرتا ہوں۔

بیماری میں آہ آہ کرنا

حال:۔ جب میری طبیعت خراب ہوتی ہے تو ہائے ہائے کرنے کو دل چاہتا ہے اور اندر سے طبعاً یہ آواز نکلتی ہے، کیا بے صبری تو نہیں ہے؟

اصلاح:۔ نہیں، اقتضائے حال ہے۔

حال:۔ کبھی یہ ڈر لگتا ہے کہ دوسروں کو اس سے تکلیف ہوگی، مگر مجھے اسی میں راحت محسوس ہوتی ہے۔

اصلاح:۔ جب دوسرے کی تکلیف کا اندیشہ ہو تو ان سے علیحدہ رہنے کا اہتمام کرلیں۔

لوگوں کا مولوی، قاری اور مفتی کہنا

حال:۔ مجھے لوگ قاری، مولوی، مفتی کہتے ہیں اس وقت میں ان کو کیا

جواب دوں؟ اور دل کو کیا سمجھاؤں؟

اصلاح:۔ کچھ جواب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے جو کام ہو کر دو، دل کو یہ سمجھاؤ کہ میرے مولا کا فضل وکرم ہے کہ مجھ جیسے نادان بے عمل کے متعلق لوگوں کے دل میں اتنی عظمت ومحبت پیدا فرمادی اور استغفار بھی کرتے رہو، عُجب سے بچنے کی دعا بھی۔

نالائق کا اتقیاء کی امامت کرنا

حال:۔ نماز پڑھانے میں کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ پیچھے اچھے نیک نیک لوگ ہوتے ہیں، میں ان کی نماز برباد کرتا ہوں، کیونکہ مجھے نماز میں کامل حضور ہوتا ہی نہیں، بلکہ اولاً تصحیح الفاظ اور ثانیاً خوش الحانی کی طرف دھیان رہتا ہے اور اس طرف کہ نماز میں کوئی غلطی نہ ہوجائے۔ اللہ جل شانہٗ کی طرف دھیان بہت کم ہوتا ہے۔

اصلاح:۔ یہ خیال محمود ہے مگر موجبِ ترکِ امامت نہیں بلکہ موجبِ احتیاط فی الامامت ہے۔

عامیانہ حالت پسند ہونا

حال:۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جس طرح پہلے عام لوگوں کی طرح رہتا تھا اب بھی اسی طرح رہوں، نماز وغیرہ پڑھانے میں ایک قسم کا امتیاز معلوم ہوتا ہے، جو پسند نہیں۔

اصلاح:۔ اگر اس امتیاز کو اپنا کمال نہ سمجھیں، نعمت حق باوجود اپنے گناہوں

اور فسادِ عمل کے سمجھیں تو مضائقہ نہیں۔

دورانِ ذکر خیالات کا آنا

حال:۔ نوافل اور تسبیحات پڑھتے ہوئے یہ خیال بہت ستاتا ہے کہ فلاں دیکھ رہا ہے، حالانکہ میں شروع میں صرف رضائے الٰہی کے لئے پڑھتا ہوں اس کی نیت کر لیتا ہوں پھر جب اس قسم کا خیال آتا ہے پریشانی ہوتی ہے۔ پھر وہی خیال کر لیتا ہوں کہ میں اللہ کے لئے پڑھ رہا ہوں، جب کوئی نیا آدمی سامنے آتا ہے اس وقت یہ خیال بہت زیادہ ستاتا ہے۔

اصلاح:۔ یوں ہی چلتے رہئے، جب ایسا خیال آئے دوسری طرف دھیان لگائیں، آہستہ آہستہ انشاء اللہ اعتدال ہو جائے گا۔

معارف القرآن کی تکمیل پر اظہارِ مسرت

حال:۔ ایک طالب علم کے خط کے ذریعہ تفسیر معارف القرآن کے مکمل ہو جانے کی اطلاع ملی جس پر بہت ہی خوشی ہوئی ہے۔ فللّٰہ الحمد

اصلاح:۔ تفسیر کیا اور کیسی ہے؟ یہ تو حق تعالیٰ کے قبول پر منحصر ہے مگر مرض وضعف کے ساتھ اس پر محنت وقوت ضرور خرچ کی ہے، وہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہوئی، مجھے اس کی تکمیل سے بہت بڑی مسرت ہے، دعا کریں، حق تعالیٰ قبول فرمالیں۔

گانا باجا سننے سے بچنا مشکل ہے

حال:۔ آج کل بھائی صاحب کی دکان پر ہوں جو ڈھرکی میں ہے۔ یہاں سحری کے وقت لاؤڈ سپیکر کی پوری آواز پر ریکارڈ چلائے جاتے ہیں جن کی آواز بہت ہی تیز ہوتی ہے، اکثر قوالی نظمیں ہوتی ہیں ممکن ہے گانے بھی ہوتے ہوں، بہر حال

ریکارڈنگ کی آواز سے بچنا بہت مشکل ہو رہا ہے، بعض میں عورتوں کی آواز بھی ہوتی ہے، چونکہ آواز بہت تیز ہوتی ہے اس لئے ذہن دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بار بار کوشش کے ذہن کچھ دیر کے لئے دوسری طرف ہوتا ہے پھر اسی طرف منتقل ہو جاتا ہے، بہت سخت پریشانی ہے کیا کروں؟ دکان پر رہنا بھی ضروری ہے۔

اصلاح:۔ بس جس قدر اختیار میں ہو ترک التفات سے کام لیں، غیر اختیاری کی فکر نہ کریں۔

گندہ ماحول میں مجبوراً رہنے میں کیا کریں

حال:۔ یہاں کے حال سے بہت گھبرا گیا ہوں ہر طرف گناہ ہی گناہ معلوم ہوتے ہیں، تمام معمولات زندگی بدل گئے ہیں، آپ کی برکت سے اوراد و نوافل کے معمولات پورے ادا ہو جاتے ہیں، ترقی کی امید خواب خیال بن گئی ہے۔ والد صاحب سے بھی کہنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ ابھی وہ دورۂ قلب کے مرض سے صحت مند ہوئے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دوسرا کوئی انتظام کر نہ سکیں گے۔ ایسی صورت میں کیا کروں؟ اور اس ماحول سے کس طرح نکلوں۔

اصلاح:۔ عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ! ان حالات میں بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں، والد صاحب سے کچھ نہ کہیے، باقی ماندہ مدت بھی اب پوری ہونے والی ہے۔

چونکہ بر سخت بہ بند بستہ باش

ریڈیو پر عورت کی خبریں سننا

حال:۔ ریڈیو پر بعض مرتبہ عورت خبریں نشر کرتی ہے تو کیا ایسی صورت میں

خبریں نہیں سننا چاہیے؟ کیونکہ غیر محرم کی آواز ہے۔

اصلاح:۔ضرورت کے وقت مضائقہ نہیں جب کہ اپنے نفس میں کوئی شر محسوس نہ ہو۔

دلائل الخیرات کے متعلق حضرتؒ کا مذاق

حال:۔احقر کو حضرت والد ماجد مدظلہم العالی نے دلائل الخیرات کی اجازت گذشتہ رمضان میں دی تھی مگر اس کو پڑھنے میں تردّد پیش آتا ہے جس کی وجہ سے یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ کسی جگہ پڑھا تھا اچھی طرح یاد ہے جس میں فرمایا تھا کہ میرے نزدیک بجائے دلائل الخیرات کی منزل پڑھنے کے اتنی دیر ماثورہ، درود شریف پڑھنا بہتر ہے۔آپ کا اس سلسلہ میں کیا طرز عمل ہے؟

اصلاح:۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد صحیح ہے، حضرت کا یہی مذاق تھا، میرا بھی یہی معمول ہے۔

حضرت سے دلائل الخیرات کی اجازت

حال:۔اگر حضرت والا مناسب جانیں تو دلائل الخیرات کی اجازت بھی مرحمت فرمادیں۔

اصلاح:۔اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر دل چاہتا ہے، پڑھا کریں، اس میں اتنی بات ضرور ہے کہ والہانہ انداز میں درود شریف ہیں، جن سے حبّ رسول میں ترقی کی امید ہے، اس نیت سے پڑھا کریں تو حرج نہیں البتہ اس کے مقدمہ میں جو حدیث لکھی ہے وہ موضوع ہے، اس کا اعتقاد نہ رکھیں۔

رمضان میں تلاوت کلام پاک

حال:۔ رمضان المبارک میں دل چاہتا ہے کہ کلام پاک کی خوب تلاوت کروں مگر تین چار سپارے پڑھ کر طبیعت اچاٹ ہوجاتی ہے، پھر بعد میں مزید تلاوت کا موقعہ بھی نہیں ملتا۔

اصلاح:۔ کوشش کریں مزید موقع ملنے کی، پھر بھی نہ ملے تو حرج نہیں۔

گناہوں کا علم نہ ہونا

حال:۔ جب میں اپنے اعمال کا جائزہ لیتا ہوں تو گناہ نظر نہیں آتے، جس کی وجہ سے قلب میں ہر وقت خوف سا لگا رہتا ہے کہ بے حسی کا یہ عالم ہے کہ گناہوں کا ادراک بھی نہیں ہوتا، اس قدر غفلت ہے کہ اپنے معاصی کا علم نہیں۔

اصلاح:۔ اجمالی علم اور اس پر ندامت کافی ہے، تفصیلی یاد رکھنا ضروری نہیں۔

چچی، تائی سے پردہ

حال:۔ ہمارے یہاں تائی، چچی وغیرہ سے پردہ نہیں کرایا جاتا بلکہ یونہی سامنے آجاتی ہیں، بچپن سے جو عادت بنی ہوئی ہے اسی کے مطابق ملنے جاتا ہوں، ان سے پردہ کرنے کے متعلق کہنے کی ہمت نہیں ہوتی اور جاتے ہوئے مسئلہ کی رو سے طبیعت بھی رُکتی ہے، اکثر تو نیچی نظر کرلیتا ہوں، لیکن ان پر نظر پڑتی ضرور ہے اگر نہ جاؤں تو بھی مشکل، ایسی حالت میں کیا طرزِ عمل اختیار کروں؟ میرے تمام دوست بھی اس میں پریشان ہیں، بعض نے منع بھی کیا تو فساد شروع

ہو گیا، ممکن ہے ان کی سختی کا نتیجہ ہو بہر حال حضرت والا رہنمائی فرمائیں۔

اصلاح:۔ ان حالات میں نیچی نظر رکھ کر ملنے، بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جماعت چھوٹ جانا

حال:۔ عرض خدمت یہ ہے کہ احقر کی جب کبھی جماعت چھوٹ جاتی ہے تو دو خیال کثرت سے آ کر شرمندہ اور پریشان کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ لوگ کیا کہیں گے کہ حضرت کا اجازت یافتہ ہو کر یہ حرکت اور یہ کوتاہی دوسرے اپنے جن شاگردوں کو اور متعلقین کو نماز با جماعت کی اکثر تلقین کرتا رہتا ہوں ان کا خیال کہ وہ کیا کہیں گے کہ ہمیں تو کہتا ہے، خود کا عمل کیسا ہے، بہت شرمندگی ہوتی ہے اور دونوں خیالات ہر وقت برائیوں اور کوتاہیوں سے روکتے رہتے ہیں اور اعمال کی اصلاح کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں مگر خدائے پاک کی ناراضگی اور نافرمانی کا ڈر مستحضر نہیں رہتا، حضرت والا اصلاح فرما دیں۔

اصلاح:۔ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ذریعہ بن جائے وہ بھی غنیمت ہے، اگرچہ اصل چیز یہی ہے کہ جس کام سے رُکنا ہو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا استحضار کر کے رکنا چاہیے، لیکن اگر یہ بالفعل حاصل نہیں تو جو اسباب بھی معصیت سے بچنے کا ذریعہ بنیں ان کو غنیمت سمجھیں۔

حضرتؒ کا دوسروں کو ایذا سے بچانے کا اہتمامِ کامل

یہ وصف بھی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجۂ کمال موجود تھا جو ایک

مؤمن کامل کے لئے از بس ضروری ہے، ہر نشست و برخاست، قول و فعل میں حضرتؒ کو اس کے اہتمام کا ملکہ رَاسخہ حاصل تھا گویا یہ چیز حضرتؒ کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ حضرتؒ اپنے انتہائی کم درجہ کے خادموں کے ساتھ بھی اسی طرح اس کا اہتمام فرماتے جو بڑوں کے ساتھ فرماتے، چنانچہ احقر کو الحمد للہ! بارہا حضرتؒ کی خدمت کا موقعہ ملا، کبھی حضرت خود خدمت کے لئے طلب فرماتے اور کبھی احقر خود عرض کر دیتا۔ اس طلب فرمانے عرض کرنے کے جواب میں ایک بار بھی احقر کو یاد نہیں کہ حضرت نے یہ الفاظ نہ فرمائے ہوں کہ اگر فرصت ہو یا موقعہ ہو یا کسی کام میں حرج نہ ہو تو کر لیجئے۔ جب خود طلب فرماتے تو یہ الفاظ یا ان جیسے الفاظ کا ضرور اہتمام فرماتے اگر احقر کو کوئی کام درپیش ہوتا تو عرض کرنے پر عذر، بڑی خوشدلی سے قبول فرما لیتے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده.

کا خوب مظاہرہ ہوتا۔ اب ذیل میں حضرت کا مبارک خط جو ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ پیش کرتا ہوں جس سے دوسروں کو ایذاء سے بچانے کے وصف کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے، اور صاحبِ بصیرت آدمی کے لئے اس خط میں بے شمار نصیحت کے درس موجود ہیں۔

واقعہ سنئے

حضرت والد ماجد مدظلہم سخت علیل ہو گئے تھے، ڈاکٹری علاج مکمل ہو چکا تھا مگر صحت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی بالآخر ایک دوست ایک عامل کو لے کر آئے، اس

خیال سے ممکن ہے سحر ہو تو اس کا علاج ہو سکے، اس عامل نے سحر ہی بتایا اور اس نے حیرتناک انداز سے علاج کیا اور ایک جزیرہ سے قدیم قبروں کے درمیان سے ایک پتلہ نکالا اور پھر سحر کا اتار کیا، اس کے بعد حضرتِ والد صاحب کو بحمد اللہ صحت ہو گئی گو ابھی تک یہ یقین نہیں کہ ڈاکٹری علاج صحت کا ذریعہ بنایا اس عامل کا علاج، صحت کے بعد حضرت والد ماجد مدظلہم نے اس عامل کے علاج کی پوری تفصیل حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمائی۔ حضرت والا نے حالات پڑھ کر فرمایا کہ ان حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی اچھا عامل ہے۔ اور فرمایا میرے گھر میں .... آٹھ سال سے سخت علیل اور صاحبِ فراش ہیں، ممکن ہے کہ ان پر بھی سحر وغیرہ ہو اگر ان عامل صاحب کا یہاں دارالعلوم میں بھیجنے کا انتظام بآسانی ہو سکے تو کیا ہی اچھا ہو، آمد وخرچ اور نذرانہ ہمارے ذمہ ہوگا، چنانچہ حضرت والد صاحب نے اپنے دو مخلص احباب کے ذریعہ ان عامل صاحب کو دارالعلوم کراچی حضرت رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھیجا، حضرت بیحد خوش اور ممنون ہوئے مگر یہاں اس عامل کا بھانڈہ پھوٹ گیا، اور معلوم ہوا کہ پتلہ نکالنے کا عمل یہ سب ہاتھ کی صفائی کا کھیل ہے، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں، اس لئے مریضہ کو کچھ بھی اثر نہ ہوا، مرض جوں کا توں رہا۔

اب حضرت والا رحمۃ اللہ بجائے براہِ راست حضرت والد ماجد مدظلہ کو خط لکھنے کے احقر کے پاس خط لکھا، پہلی رعایت یہ فرمائی تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو، دوسری مجھے تاکید کی کہ اپنے والد ماجد صاحب سے صاف صاف نہ کہنا بلکہ مجملاً کہنا، تیسرے ان لانے والے احباب کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کر لینا تاکہ

وہ اس عامل کی شہرت کا ذریعہ نہ بنیں، اللہ اللہ کس کس کا کس طرح خیال رکھا جا رہا ہے، اب خط ملاحظہ فرمایئے۔

سبق آموز خط

والد صاحب نے میری اہلیہ کے علاج کے لئے عامل صاحب کو جیکب آباد سے بلوا کر حاجی نظام الدین وغیرہ کے ساتھ یہاں بھیجنے کا اہتمام کیا، اللہ ان کو جزاء خیر دے، ان کی محبت قابل قدر ہے ان کے لئے دل سے دعا نکلی۔

''لیکن جو عامل صاحب یہاں آئے تھے، یہاں تو انہوں نے کھلے طور دھوکہ سے کام کیا، ایک مٹی کا پتلا جس میں سوئیاں گھسی ہوئی تھیں، ان کے ساتھ تھا، اپنا ہاتھ رنگ کی طرف پھینکا، پھینکتے ہوئے محمد رفیع سلمہ نے بالکل واضح طور پر دیکھا، انہوں نے یہ بتلایا کہ یہ مؤکل نے لا کر ڈالا ہے، پھر سوئیاں نکالیں عمل پڑھا۔ مگر مریضہ پر آج تک کوئی اثر نہیں ہوا، میں نے حاجی نظام الدین صاحب اور محمد یعقوب صاحب سے اس کے اظہار کا ارادہ کیا تھا مگر اتفاقاً وہ الگ نہ ملے، میں نے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عامل صاحب کا نذرانہ دیدیا۔ اب اس کے لکھنے کا مقصد صرف حاجی نظام الدین اور یعقوب صاحب کو آگاہ کرنا ہے کہ وہ دوسرے لوگوں میں اس کا چرچا کرنے کا سبب نہ بنیں تو بہتر ہے، اس کا اظہار ان دونوں سے مناسب وقت میں کر دیں، والد صاحب سے زیادہ کھول کر کہنے کی ضرورت نہیں، انہیں رنج ہوگا مگر اجمالی طور پر کچھ بتلا دیں کہ دھوکہ میں نہ رہیں۔'' والسلام

آخری ملاقات اور اہم ترین نصیحت

احقر ۱۹؍ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو صبح بوقت تقریباً ڈیڑھ، دو بجے کے درمیان حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں سکھر جانے کے لئے الوداعی ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ نصیحت فرمانے کے لئے بھی عرض کیا، حضرت نے فرمایا:

راقب اللّٰہ تجد تجاھک.

ترجمہ

''ہمہ وقت اللہ پاک جل مجدہ کی طرف دھیان رکھو، اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔''

آج کی تاریخ ہی میں حضرت بابا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازین صحبت میں سے تھے، بڑے بابرکت اور جاہ وجلال والے بزرگ تھے، حضرت والا پر ان کی وفات کا بیحد اثر تھا، فرمایا ان کی موت اپنی موت معلوم ہوتی ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ نیز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موت تو آنے ہی والی ہے۔ عمر بھی ختم ہے، تمام چیزیں جواب دے رہی ہیں، رمضان شریف کی موت مبارک موت ہے، مگر میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میری موت سے اوپر نیچے والوں میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو، رمضان میں محبین اور عزیزوں کو آنے جانے میں تکلیف ہوگی اور دعاء کرتا ہوں کہ بے وقت، بے موقعہ موت نہ ہو کہ دوسروں کو تکلیف ہوگی۔

اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا لوگوں کو اپنی ایذاء سے بچانے

کا کہ زندگی میں تو اس کا اہتمام تھا ہی مرنے میں بھی اس کا خیال رہا اور تمنا فرمائی جسے اللہ پاک نے حرف بحرف پورا فرمایا اور رمضان المبارک بھی گذرے، عید بھی تمام خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ آئی اور چلی گئی، سب حضرات مطمئن ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو پہنچ گئے اور جب حضرت تمام امورِ دینی اور دنیوی سے فارغ ہو گئے تو بالآخر اس شمع ہدایت اور نورِ ہدایت کا یہ آفتاب و ماہتاب ۱۰ اور ۱۱ رشوال کی درمیانی شب میں ہمیشہ کے لئے افق آخرت میں غروب ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بلند سے بلند درجات نصیب فرمائے، اپنی رضائے کاملہ اور مغفرت کاملہ سے مالا مال فرمائے، اور حضرتؒ کے ان علمی، عملی، ظاہری اور باطنی کمالات سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

بندہ عبدالرؤف سکھروی

حضرت مفتی اعظمؒ کا اندازِ تربیت

تحریر
حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ
مفتی وصدر مدرس جامعہ اشرفیہ سکھر سندھ

فرمایا:۔ شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے، تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے، اور مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات واخلاق کو دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادت بنانے کی کوشش کرے اور سارے سلوک کا حاصل اور خلاصہ سنّت کی پیروی کرنا ہے، اور کچھ نہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور حضرات تو قبلہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل علمی و عملی بیان کریں گے اگر چہ وہ قلم سے اوپر ہوں گے مگر میں تو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی تربیت السالکین کا ہلکا سا نقشہ آپ بیتی میں دکھانا چاہتا ہوں جو انبار میں سے مثل ذرہ کے ہے۔

احقر نے ۱۳۵۳ھ میں ایک سال مظاہر العلوم سہارنپور میں رہ کر دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور اسباق شروع ہو گئے۔ میرا مزاج تنہائی پسند تھا مگر ساتھ ہی صحبتِ بزرگاں کا چسکہ بھی لگا ہوا تھا، دار العلوم بزرگانِ دین کا مکمل گہوارہ تھا۔ کسی بات کی کوئی کمی نہ تھی، اپنی اپنی طبیعت کا رجحان ہوتا ہے، صحبت میں بیٹھ جانے کے لئے میری طبیعت نے قبلہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو منتخب کیا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ دار الافتاء میں تشریف لاتے اور بڑے سکون و وقار کے ساتھ افتاء کا کام کیا کرتے تھے، جب موقعہ ملتا بس حضرت والا کی خدمت میں کبھی کسی مسئلہ کو معلوم کرنے کے بہانے، کبھی ایسے ہی حاضری ہوتی اور بڑا سکون معلوم ہوتا تھا، طبیعت کا رنگ نکھر آتا تھا۔ مولانا مسعود احمد صاحب نائب مفتی تھے۔ فتاویٰ کے نقول کے رجسٹر پڑھنے کی اجازت ہو گئی، بڑی عجیب علمی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ قبلہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل معلوم ہونے لگے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے دار العلوم کے کتب خانے کی کل یا اکثر کتابوں کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ شوق ہوا کہ دار العلوم کا کتب خانہ دیکھیں گے، اوقات معلوم کئے اور کتب خانے میں گئے تو اپنی عمر میں اتنا بڑا کتب خانہ دیکھنا نصیب ہوا، سب طرف گھوم کر اندازہ لگایا شاید ایک لاکھ

کتابیں تو ہوں گی۔اس سے حضرت قبلہ مفتی صاحب کی علمی کاوش اور لگن معلوم ہوئی۔ اور خود بھی اسی وقت سے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اسی طرح طالب علمی کے زمانے کے حضرت کے اعلیٰ نمبروں میں کامیابی کی باتیں کانوں میں پڑتی رہیں اور اعتقاد میں ترقی ہوتی رہی۔ پھر خارج وقت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کی مسجد میں قرآنِ کریم کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا تو بندہ نے بھی اس میں شمولیت کی۔ ترجمہ کیا تھا بے بہا علمی ذخائر ہوتے تھے بالخصوص مرزا قادیانی کے رد میں عجیب عجیب نکتے ارشاد فرما دیتے تھے۔ دورۂ حدیث میں ابوداؤد شریف عموماً حضرت مولانا سید اصغر حسین قدس سرہٗ العزیز کے پاس ہوتی تھی۔ ہماری ابوداؤد بھی ان کے پاس تھی، ابتداء کے چند اسباق پڑھائے تھے کہ ان کی طبیعت ناساز ہوگئی تو حضرت میاں صاحبؒ نے اپنی جگہ قبلہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ہی کو منتخب فرمایا ان کی جگہ ابوداؤد بندہ نے حضرت قبلہ مفتی صاحب ہی سے پڑھی۔

حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ الاساتذہ تھے ان کی جامع مگر بہت مختصر تقریر ہوتی تھی مگر حضرت قبلہ مفتی صاحبؒ ہر حدیث کی بڑی تحقیق کے ساتھ پوری تفصیل فرمایا کرتے تھے، اس وقت سے ان کی احادیث اور ان کے ماتحت مسائل فقہیہ کی بحث سے علمی تبحر آشکارا ہوا۔

ایک روز دیوان صاحب کی حویلی کے پاس بازار سے دولت خانے کو جاتے ہوئے زیارت ہوئی اس وقت حضرت قبلہ مفتی صاحب نے گھوٹ موٹ حجامت بنوائی ہوئی تھی سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا، چہرہ اس قدر نورانی معلوم ہو رہا تھا کہ کہہ نہیں سکتا دل نے تقاضا کیا کہ بس ان ہی سے بیعت ہونا ہے مگر طالبِ علمی کا زمانہ تھا یہ معلوم تھا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں طالب علمی میں بیعت نہیں کیا

کرتے پھر دولت خانہ پر حاضری ہونے لگی اس وقت المفتی رسالہ کا اجراء ہو رہا تھا، حضرت اس میں لگے رہتے تھے جب پڑھ پڑھا کر ہم گھر آ گئے اور وطن مالوف ریواڑی کے مدرسہ ریاض العلوم میں معلّمی کی ملازمت ملی تو اصلاح کا معاملہ سامنے آیا، وہاں مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، اور حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے ان کی صحبت میں اثر بھی بہت تھا مگر میرے دل کی تمنا یہ تھی کہ کسی مفتی سے بیعت ہونا چاہیے تاکہ مسائل کی ضرورت پڑے تو دوسری جگہ جانا نہ پڑے۔

بہشتی ثمر کو دیکھ کر ایک عریضہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، انہوں نے دوازدہ تسبیح بتلائی اور دوسرا خط لکھا تو اس کے جواب میں ان کے وصال کی خبر لکھی ہوئی آئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر تیسرا خط قبلہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاحی خط و کتابت کے لئے لکھا حضرت نے ازراہِ شفقت ان الفاظ میں جواب لکھا ’’جب تک کسی دوسرے مصلح سے مناسبت نہ ہو بندہ اس خدمت کے لئے حاضر ہے‘‘ اس کے بعد اصلاحی خطوط کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور مناسبت تامہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی، یہ حال ہو گیا تھا کہ عریضہ لکھ کر ڈاک میں ڈالا اور خود بخود تسلی وسکینہ قلب میں آ جاتا تھا۔ کوئی اشکال ہوتا یا تردد اور پریشانی ہوتی جواب آنے سے پہلے ہی دل میں تشفی آ جاتی تھی، یہ حضرت والا کی توجہ اور دعا کا اثر تھا پھر جواب پڑھ کر تو تسلی ہو جانا ناگزیر تھا، حد تو یہ ہے کہ اشکال کا جواب خط آنے سے قبل ہی دل میں آ جاتا تھا۔ آخری زمانۂ ہجرت کے قریب جب ہندوؤں نے قتل وغارت شروع کر رکھی تھی تو

ہمارے وطن پر بھی ان کی دھاڑ چڑھا کرتی تھی وہ ایک خوف کا وقت تھا، میں نے حضرت قبلہ مفتی صاحبؒ کو واقعاتِ ظلم پر خوف طبعی ظاہر کیا تو مجھے یاد ہے اس کے جواب میں حضرت قبلہ مفتی صاحبؒ نے یہ آیت لکھی تھی۔

هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُوْنَ. (التوبة: ۲۵)

ترجمہ

''اور نہیں انتظار کرتے ہو تم ہمارے ساتھ مگر دو بھلائیوں میں سے ایک کا اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تم کو عذاب پہنچادے یا ہمارے ہاتھوں سے، پس تم منتظر رہو ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔''

اس وقت مجھے یاد نہیں تھا کہ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ کیا ہے؟ تفسیر دیکھی کہ یا شہادت یا فتح، ان دو میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے رہو، اس سے کتنی تسلی ہوئی ہے کیا عرض کروں پھر خوف باقی ہی نہ رہا، یہ آیت ایسے موقع پر جا کر لگی کہ دل باغ باغ ہوگیا۔

ہم لوگ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ گئے تھے اور حضرت مفتی صاحبؒ دیوبند ہی تھے، احقر نے عریضہ ارسال کیا اور حضرت والا کا جواب آیا جس میں تردّد ظاہر فرمایا کہ ابھی پاکستان آنے نہ آنے میں متردد ہوں، احقر نے عرض کیا کہ وہاں پر تو علماء کرام بہت ہیں، یہاں پاکستان میں آپ کی ضرورت ہے اس پر حضرت والا کا جواب اثبات میں آیا، کچھ روز بعد معلوم ہوا کہ پاکستان تشریف

لے آئے ہیں، میں حیدر آباد سندھ میں تھا اور کوئی دھندہ نہیں تھا، پہلے تو گنوں کی پھاندی لا کر وہ بیچیں پھر سرو تامل گیا تو گنڈیریاں بیچنی شروع کیں اور حضرت والا کو عریضہ لکھا کہ میں یہاں گنڈیریاں بیچ رہا ہوں، اس پر حضرت والا نے بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور لکھا کہ مولوی کو ایسا ہی ہونا چاہیے ایک ہی ڈگر پر نہ پڑا رہے جیسا موقع آئے کام میں لگا رہے۔

فرمایا مجھے یہ آپ کی بات بہت پسند آئی اور پھر آئندہ جب زیارت ہوتی اس کو ظاہر کر کے دوسرے لوگوں سے بھی فرماتے بلکہ ایک مرتبہ تو یہ فرمایا تھا کہ مجھے اس کے وظائف کی تو معلوم نہیں کیا کرتا کراتا ہے ہم نے تو اسے گنڈیریاں بیچنے سے خوش ہو کر خلافت دی ہے۔

میں پہلی مرتبہ حج کو جانے لگا تو پاکستان چوک میں رہتے تھے، وہیں پاکستان چوک میں ان سے پہلی ملاقات ہوئی اور نصائح فرمائے اور اس سفر میں ''حزب الاعظم'' اور ''دلائل الخیرات'' کا ورد رکھنے کے لئے ہدایت فرمائی۔

ایک مرتبہ ٹھیری کا مدرسہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے، وہاں سے سکھر تشریف لائے، میں حلوائی کی دوکان پر کام کر رہا تھا، گاڑی کا وقت قریب تھا، مجھے ساتھ لیا اور روہڑی چلنے کے لئے کہا اس وقت دریائے سندھ میں کشتی کے ذریعہ دوسرے کنارے پر جایا کرتے تھے۔ کشتی میں بیٹھ گئے تو بر آب یہ فرمایا کہ تم کو صرف ایک کام بتلاتے ہیں وہ یہ کہ دین کی جتنی تبلیغ ہو سکے کرو، میں نے اقرار کر لیا پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت وساوس بہت آتے ہیں، فرمانے لگے میلے کپڑوں میں زیادہ وساوس آتے ہیں، صاف ستھرے کپڑے پہننے میں کم آتے

ہیں، اس وقت میں حلوائی کے کام کی وجہ سے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور واقعی یہ بات سامنے آئی اور اس کی قدر ہوئی۔

روہڑی سے اسٹیشن پر جا رہے تھے ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا اس نے حضرت سے کہا تم کیا کام کرتے ہو، فرمایا جس کام کی آج کل کوئی قدر و قیمت نہیں، وہ نہیں سمجھا پھر اس نے پوچھا تو فرمایا مفت میں کچھ کاغذ کالے کر لیتا ہوں اور کیا کام ہے۔ اسٹیشن آیا سامان آپ کا میرے پاس تھا میں نے پلیٹ فارم نہیں لیا تھا، پل پر میں نے عرض کیا تو سامان لے کر خود ہی ریل گاڑی میں جا کر سوار ہو گئے، مسئلہ کی بات تھی۔ تواضع تو حضرتؒ سے از حد ٹپکتی تھی ہر کام میں تواضع کے مظہر اتم تھے، اللھم افض علینا۔ جب تک دکان حلوائی کی رہی حاضری نصیب نہ ہوئی، دکان ختم کرنے کے بعد چالیس دن کے لئے آستانہ پر حاضری ہوئی۔ لسبیلہ کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے چند روز کوٹھی میں ہی قیام رہا، ہر نشست و برخاست پر تربیت والی نظر ہونے لگی، اذان سے قبل آہستہ سے تشریف لاتے کہ تہجد کے لئے اٹھا ہے یا نہیں پھر میں مسجد میں چلا جاتا تو بستره آ کر دیکھتے کہ لپیٹ کر گیا ہے یا ویسے بے ہودہ رکھ چھوڑ گیا ہے، کبھی مسجد میں جوتہ مبارک دہلیز میں چھوڑ جاتے کہ یہ اٹھا کر رکھتا ہے یا نہیں؟ دکاندار سے سامان خریدتے تب اندازہ فرماتے۔

ایک دفعہ بس میں ساتھ بیٹھے، ادب سکھانے کے لئے فرمایا تم میری جگہ بیٹھ جاؤ میں نے عرض کیا نہیں آپ بیٹھ جائیں جلدی سے ٹکٹ میرا بھی لے لیا یہ ادب سکھانا تھا کہ میں نے سستی سے کام لیا۔ وہاں مجلس ہوتی تھی اس کے لئے فرمایا کہ لوگ آئیں گے دریاں بچھاؤ دیکھنا چاہتے تھے کہ اسے عام کام کرتے ہوئے عار تو

نہیں آتی، یہ تھی تربیت۔ مسجد سے آتے ہوئے سڑک پر ایک روڑا پڑا ہوا تھا تو اسے ٹھوکر سے ایک جانب کر دیا تاکہ آتے جاتے کو ٹھوکر نہ لگے اور حدیث پر عمل کرنا آجائے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے فرماتے کہ تلاوت کے تمام آداب آجائیں کیونکہ دیکھنے سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ پڑھنے میں کہاں ہے۔

الغرض ان کے ہر حرکت وسکون میں کوئی نہ کوئی اصلاحی بات مخفی ہوتی تھی اور کمال یہ کہ زبان سے نہیں فرماتے تھے، عمل سے خود بخود ذہن میں آتا جاتا تھا کہ یہ فلاں حدیث پر عمل ہوا ہے یا فلاں فقہ کی جزئی پر عمل ہو رہا ہے اور پوری طرح ذہن میں القاء ہوتا تھا جیسا کہ بتاتے جا رہے ہیں۔

شہر سے دارالعلوم کراچی جاتے وقت میں کلام پاک لے کر تلاوت فرماتے یہ بھی تعلیم تھی کہ اتنی دیر فضولیات نظر میں لانے کی بجائے وقت کو کام میں لگائیں، راستہ بھی طے ہو جائے تو تلاوت بھی ہو جائے نہ گرنے کا ڈر نہ کھٹکا، ڈرائیور چلا رہا ہے، معمول بھی پورا ہو رہا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معمولات کے لئے خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی، وقت مقررہ پر جہاں ہو پورا کر لیا جائے۔

ایک دفعہ میں کوٹھی میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا، تشریف لائے تھوڑی دیر میں اندر سے ایک ماما آئی اور کچھ دیر میرے سامنے کھڑی رہی، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حکم دیکر اس کو لایا گیا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ اسے نگاہ کا مرض تو نہیں ہے۔ کبھی کھانا کھلاتے ہوئے آداب طعام کی کمی بیشی ملاحظہ فرماتے، میری نماز میں ضرور کمی تھی تو مسجد میں میرے سامنے جہاں سے میری نگاہ پڑے، نماز پڑھنے لگے اور نہایت ہی سکون اور خشوع وخصوع اور ظاہری احکام الٰہی کے مطابق نماز پڑھ رہے تھے

اور میرے دل میں یہ آرہا تھا کہ حضرت مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلا رہے ہیں۔ یعنی یہ کمال تھا کہ جو آپ عمل سے بتلانا چاہتے تھے وہ دل میں اتر جاتا تھا جسے کہتے ہیں کہ آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اسم ذات پڑھو اور گنتی کرو چوبیس گھنٹے میں کتنی بار ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ کسی بزرگ کا طریقہ تھا کہ امتحان لیتے تھے اگر چوبیس گھنٹے میں سوا لاکھ کرلیا تو اسے کامیاب سمجھتے تھے، میں نے بھی کیا مگر پینسٹھ ہزار بار ہوا۔ ایک روز تمام دن اِدھر اُدھر کام پر لگائے رکھا اور عشاء کا وقت ہو گیا تب فرمانے لگے کہ ”آج تم نے کھانا نہیں کھایا“ یہ کہہ کر بھی گھر تشریف لے گئے، یہ امتحان لینا تھا کہ غصہ بے صبری کیسی ہے؟ جب دیکھ لیا تو پھر گھر بلا کر شفقت کے ساتھ چار پائی پر بٹھا کر کھانا کھلایا اور خود ٹہلتے ہوئے سب ہمارے انداز ملاحظہ فرماتے رہے، کبھی خادم سے اس طرح کراتے کہ ان کو کھانے کے لئے کہہ دو اور تیاری میں دیر کردو اور جو کیفیت ہو وہ بتلاؤ، ایک دفعہ فتاویٰ سپرد کئے کہ ان کے جوابات لکھو، میں نے ان کو لاابالی پن سے دفتر ہی میں ایک طرف رکھدیا، حضرت والا نے ان کو کسی سے کہہ کر چھپا دیا۔ اب میں حیران ہوا، ارشاد فرمایا یہ امانت ہوتی ہے، اس کی امانت کی طرح حفاظت ضروری ہے۔ ایک طالب علم کو سبق کے لئے لگا دیا وہ پیچھے پڑا رہتا، یہ بھی امتحان تھا کہ دق ہو کر یہ کیا کرتا ہے اور طالب علم سے کس رُخ سے بات کرتا ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب مدظلہ العالی کے پیچھے ایک قرآن پاک تمام رات صبح صادق تک سننے کا کئی بار اتفاق ہوا، مگر میں فجر کی نماز کے بعد سو جاتا تھا یہ سب احوال معلوم کر کے فرمایا کہ اشراق سے پہلے سونا نہ چاہیے یعنی یہ مجاہدہ ہے

مجاہدہ کرا کر دیکھنا تھا، میں نے ایسا ہی کیا۔

ایک مرتبہ مسجد جاتے ہوئے حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ نقل فرمایا: ضیعوہ اصحابہ اپنی طرف اشارہ فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے حضرت کو سمجھا ہی نہیں، کہاں تک لکھیں کہ کس کس طرح ہماری ہر حرکت کی نگاہ رکھی اور تربیت فرمائی۔

جزاهم الله احسن الجزاء

اس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کی مجالس طیبہ کی ادنیٰ سی سیر کرانے کے لئے ایک مجلس کے فیوضات عرض خدمت کرتا ہوں۔

ارشاد فرمایا: حج کے دوران مزدلفہ سے واپسی کے وقت منیٰ میں ایک ہی دن میں چار کام کرنا افضل ہیں۔ رمی جمرۂ عقبہ۔ قربانی۔ سر منڈانا۔ طواف زیارت کرنا۔ یہ چاروں کا پہلے دن کرنا افضل تو ہے لیکن اسے یوں کرلیا جائے تو اس میں سہولت ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے۔ ہر خلافِ افضل کے لئے کراہت لازم نہیں مثلاً دسویں تاریخ کو رمی کرے، گیارہویں تاریخ کو فجر کے بعد قربانی کرآئے۔ پھر حلق کرائے۔ پھر طواف زیات کرآئے اور اس کے پہلے یا پیچھے گیارہویں کو رمی بھی کرے۔ آسانی کے ساتھ یہ تمام افعال حج ادا ہوسکتے ہیں اسی طرح عرفات میں اپنی جگہ دعا واذکار میں لگا رہے۔ گو جبلِ رحمت کے پاس جانا افضل ہے مگر آنے جانے میں دعائیں مانگنا پڑھنا رہ جاتا ہے یا کمی رہ جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا:۔ جب ہم صفا مروہ کی سعی کرتے تو عربی کی مناجات مقبول میں لے لیتا اور اردو کی اہلیہ کو دیدیتا تھا، وہ اسے پڑھتی رہتیں اور چونکہ سعی اب خلاصہ ہوگیا ہے۔ اہلیہ سے کہتا کہ تم کو دوڑنا نہیں ہے، اس لئے تم الگ چلتی رہو، میں الگ

چلوں گا کیونکہ مردوں کو دوڑنا پڑتا ہے۔ پھر آتے جاتے دکھلائی دیتے ہیں۔ کوئی دقت نہیں ہوتی۔

ارشاد:۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حج کے بارے میں چند وعظ ہیں۔ الحج المبرور. الحج والشج ان کو دیکھ لینا چاہئے۔

ارشاد:۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وہاں تو خالی زنبیل لے جائے اور بھری ہوئی لے آئے، وہاں کا تو یہ معاملہ ہے۔ میں نے عرض کیا (حضرت مفتی صاحبؒ) کسی مسکین کے پاس زنبیل ہی نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا وہاں زنبیل بھی ملتی ہے۔ طلب کرے۔

ارشاد:۔ ایک صاحب پان کی ڈبیہ پالش کی ہوئی لائے تو حضرت والا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ پالش کی اجرت دیدی ہے؟ لانے والے نے عرض کیا حضرت وہ جاننے والا تھا، اس لئے اس نے نہیں لی اس پر حضرت نے فرمایا یہ جاننے کا حق صرف ایک جانب ہی ہے یا دونوں جانب ہے؟ تم بھی کبھی جاننے کا حق ادا کرتے ہو یا وہی پٹتا رہے؟ کبھی آنے دو آنے کی کوئی چیز تم بھی تو دے دیا کرو کہ یہ میرا جاننے والا ہے۔

ارشاد:۔ سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ذکر ہوتا رہے، کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو پھر پاس انفاس کے متعلق فرمایا کہ استاذی المکرّم حضرت شاہ انور کشمیریؒ نے یوں بتلایا تھا کہ جب سانس اندر جائے تو "اَللّٰہ" کہے جب وہی سانس باہر آئے تو "ہُ" کہے۔ بس اسی طرح کرتا رہے کوئی سانس خالی نہ رہے۔ مشق ہو جانے کے بعد خود بخود نکلنے لگتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اوّل مشقت ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے مگر عادت ہو جانے کے بعد بھی ثواب برابر ملتا رہتا

ہے۔ کیونکہ اختیار سے اُسے شروع کیا تھا۔ ہاں بلا اختیار وارادے جو کام ہوجائے اس کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ حدیث میں ہے۔

انما الاعمال بالنیات.

ارشاد:۔ دعائے استخارہ پڑھنے کا مطلب اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرنا ہے اور دعائے خیر کرنے کے بعد جو بھی ہو اس پر ندامت نہیں ہوتی۔ باقی اس کا مطلب اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا نہیں ہے کیونکہ مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو دعا ہوتی ہے اور دعائے استخارہ پڑھنا سنت ہے، اس کو پڑھنے کے بعد سات دن کے اندر اندر ایک طرف رجحان پیدا ہوجاتا ہے۔ بس اسی میں خیر تصور کرے، باقی خواب کوئی حجت نہیں بلکہ یہ آپ کا رجحان بھی کوئی حجت نہیں کہ ایسا کرنا ضروری ہوگیا، اگر ظاہر میں خرابی معلوم ہو رہی ہو تو استخارہ کے رجحان کو ترک کرسکتے ہیں اور یہ جو لوگ دوسرے سے کراتے پھرتے ہیں، یہ کچھ نہیں ہے۔ عملیات ہیں لوگوں نے بنا رکھے ہیں، مثلاً دو رکعت نفل پڑھو اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کی تکرار کرو، گردن بائیں طرف یا دائیں طرف پھر جائے گی، اگر دائیں طرف پھرے تو یہ کام کرو، بائیں طرف کو ہوجائے تو یہ کام نہ کرو، یہ غلط ثابت ہوچکی ہیں، اور استخارہ دوسرے سے کرانا اگرچہ گناہ نہیں مگر سنت خود کرنا ہے۔ اس کے بعد فرمایا میں تو ایک چھوٹا سا استخارہ کرلیتا ہوں، نماز کے بعد یا سوتے وقت اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ.

یہ گیارہ مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

ارشاد:۔ ایک شخص نے دریافت کیا میں نے ایک مکان تجارت کی نیت سے تیار کرایا ہے تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قیمت کا کیسے اندازہ لگایا جائے، فرمایا کہ ہر تجارتی چیز کی قیمت لگانے کا یہ اصول ہے کہ جس روز زکوٰۃ نکالنی ہے، اس روز یہ دیکھے کہ یہ چیز بآسانی کتنے میں بک سکتی ہے، بازار میں یہ کتنے کی بکے گی، وہ قیمت لگائی جائے۔

جو مکان استعمال کے لئے بنائے خواہ خود رہے یا کرایہ دار کو بسائے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں جو تجارت اور فروختگی کے لئے لیا ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہے۔

ارشاد:۔ اس راہِ سلوک میں اصل وظائف نہیں ہیں بلکہ تہذیبِ اخلاق ہے۔ پہلے آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے، جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا اور رگڑے لگتے ہیں شیخ کی خدمت میں رہ کر اس کی خدمت اور اس کے کام دھندے کرنے میں، کیونکہ کام دھندا کرنے، اٹھنے بیٹھنے میں اس کی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں پھر ان پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ نہ یہاں برکت ہے نہ علم غیب، یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

ارشاد:۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا اور مایوسانہ انداز میں کہا کہ لوگ تو بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں میرے پاس مشاغل بہت ہیں اور کمزور آدمی ہوں اور جی بھی چاہتا ہے کہ جو سلوک دوسرے طے کر رہے ہیں میں بھی طے کروں تاکہ مجھے بھی حاصل ہو جائے، اس پر حضرت نے فرمایا: ''یہ ضعیف کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔'' مایوسی کی کوئی بات نہیں، ہر ایک کے لئے الگ الگ

راستے ہیں، کیونکہ ایک طریقہ تو ہے نہیں بلکہ **طرق الوصول الی اللہ بعدد الانفاس** ہیں، یہ سن کر ہمت ہوئی اور پھر مجھے معمولی سا پڑھنے کو بتلا دیا کہ اس کے پڑھنے میں دیر بھی نہیں لگتی، اس کے بعد کئی مرتبہ دریافت کیا کہ کچھ اور بتلا دیں، فرمایا وہی کافی ہے، مگر دوسروں کو ذکر کرتے دیکھتا تو شوق بڑھتا اور کرنے لگ گیا، ورنہ وہی تھوڑا کافی ہو جاتا۔

ارشاد:۔ شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہئے تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کی عادات و اخلاق کو دیکھ کر ویسی ہی اپنی عادت بنانے کی کوشش کرے، اور سارے سلوک کا خلاصہ سنت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ابوسعیدؒ کا واقعہ ذکر کیا کہ ابتداء میں حضرت کے یہاں فاقہ ہوا کرتا تھا، بھوک میں جب صاحبزادے عرض کرتے تو فرماتے کہ گھبراؤ نہیں، دیگ چڑھ رہی ہے۔ وہ عرض کرتے کہاں ہے؟ فرماتے جنت میں، ایسی حالت میں بھی جب سلطان عالمگیرؒ نے چودہ گاؤں کی دستاویز بھیجی کہ یہ خانقاہ کے گزارے کے لئے ہے، جب قاصد لے کر آیا تو اسے پھاڑ کر پھینک دیا اور حمام میں ڈال دیا اتنا استغنا تھا، اس کے بعد فتوحات ہوئیں تو صاحبزادے شہزادے ہو گئے اور سلطان نظام الدین صاحب سے ہدایت لینے گئے تو صاحبزادے کو خوب رگڑے دیئے، تب جا کر خلافت عطا کی۔

ارشاد:۔ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ کے یہاں دو آدمی

مرید ہونے کو آئے اور حوض پر آ کر بیٹھے اس وقت حضرت سلطان جیؒ قریب ہی ٹہل رہے تھے، ان دونوں آنے والوں نے گفتگو کی اور کہا یہ حوض تو ہمارے حوض سے بڑا معلوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے سن لیا جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا جاؤ پہلے اپنا حوض ماپ کر آؤ۔ وہ ایک ماہ کی راہ چل کر آئے تھے آخر وہ گئے اور بلاضرورت کلام کرنے کی سزا بھگتی اور اسی میں ان کی صفائیٔ قلب ہوگئی۔

ارشاد:۔ ایک شخص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں چشتیہ خاندان میں مرید ہو جاؤں یا نقشبندیہ سلسلے میں ہوں۔ آپ نے اس کی طبیعت کی مناسبت معلوم کرنے کے لئے کہا کہ اگر تم کو ایک جنگل دیدیا جائے کہ اُسے بونا ہے، تم کیسے کرو گے؟ اس نے کہا تھوڑا تھوڑا صاف کر کے بوتا جاؤں گا، باقی اور صاف کرتا رہوں گا اسی طرح آخر تک کروں گا۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا تم نقشبندی سلسلے میں چلے جاؤ کیوں کہ ان کے یہاں پہلے ذکر بتلاتے ہیں، بعد میں قلب کی صفائی کرتے ہیں اور ذکر کی برکت سے صفائی ہو جاتی ہے۔ اور چشتیہ پہلے قلب کی صفائی کراتے ہیں پھر ذکر بتلاتے ہیں کہ کھیت پہلے صاف ہو جائے پھر خوب کھیتی اُگے گی۔

ارشاد فرمایا:۔ اصل دین کی فکر ہے کہ مسلمان کس کس غلطی میں مبتلا ہیں۔ ان کو تبلیغ کرنا اور یہ دھن ہو جائے کہ دین کس طرح پھیلے ورنہ کوری مدرسی سے کیا ہوتا ہے؟ یہ بھی ایک دھندا ہے۔

ارشاد فرمایا:۔ فتویٰ میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو نفع پہنچے اور ان کو ضرر سے بچایا جائے۔

ارشاد:۔حضرت مولانا منفعت علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ نماز اور لباس، ڈاڑھی یہ تو لوگوں کی وجہ سے ہے کہ کہیں بدنام نہ کریں۔ یہ بتاؤ اللہ واسطے کیا کرتے ہو۔

ارشاد:۔تبلیغ دین محشی، امام غزالیؒ تو اس لئے پڑھوائی تھی کہ تم اپنے عیوب تلاش کرو، خالی مطالعہ مقصود نہیں۔

ارشاد:۔ مسلمان جن غلطیوں میں مبتلا ہیں ان کو بیان کرے اور ان کو صحیح طریقہ بتلائے اور جو تکالیف آئیں ان پر صبر کرے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں سید الصابرین ہوں واقعی لوگوں کی بداحتیاطیوں سے بے حد اذیت ہوتی تھی مگر آپ ان کی مصلحت دینی کی وجہ سے آگاہ فرماتے تھے۔

ارشاد:۔اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک تو ظاہری اعمال ان کو فقہ کہتے ہیں۔ دوسرے باطنی اعمال ان کو تصوف کہتے ہیں سو جس طرح ظاہری میں فرائض و واجبات پر عمل کرنا ضروری ہے اور محرمات سے اجتناب لازم ہے اسی طرح باطنی اعمال میں جن کو فضائل اعمال کہتے ہیں ان میں بھی فرائض واجبات ہیں ان پر عمل کرنا ضروری اور رذائل سے اجتناب لازم ہے بلکہ باطنی اعمال تو ظاہری اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ اور بنیاد کے ہیں اس لئے ان باطنی اعمال کی اصلاح زیادہ قابل توجہ ہے۔

فضائل یہ ہیں:۔صبر، شکر، توحید، توکل، محبت، شجاعت، سخاوت، غضب، مراقبہ، محاسبہ وغیرہ۔(رذائل مثلاً:۔حسد، ریا، کبر، حقد، بغض، کینہ، حرص، عجب، شہوت، نخوت، رعونت۔آفات لسان وغیرہا)

فرمایا:۔ ولی کی پہچان کثرتِ ذکر، دوامِ طاعت اور کسی شیخ کامل کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر امراضِ باطنی کا علاج سیکھا ہوہے اور ایسے شخص کو مصلح کہتے ہیں۔

فرمایا:۔ اپنے عیوب پہچاننے کے چار طریقے ہیں۔(۱) رہبر کامل مِل جائے جو اپنی بصیرت خداداد سے اپنی فراست سے پہچان لے۔ (۲) ایسے احباب مِل جائیں جو خلوص کے ساتھ نگاہ رکھیں اور عیوب نفس پر آگاہ کریں۔ (۳) دشمن جو برائیاں چھانٹے اور کہے تو اپنے اندر غور کرتا رہے کیوں کہ دشمن چھانٹ چھانٹ کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالا کرتا ہے۔ (۴) دوسروں کے جو عیب دیکھے تو اپنے اندر خوب غور کرے کہ یہ عیب خود میرے اندر تو نہیں ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے کہا ہوا تھا کہ مجھے میرے عیوب کی اطلاع دے دیا کرو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود کو رہبرِ کامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا ہوا تھا، **کالمیت فی ید الغسال** کی طرح رہتے تھے نیز صحابہ کرام آپس میں اپنے متعلق پوچھ گچھ رکھتے تھے۔

فرمایا:۔ **وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** کے امر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صادقین ہر زمانے میں موجود رہیں گے کوئی زمانہ اُن سے خالی نہ ہوگا ورنہ یہ جو امرالٰہی ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اس پر حرف آئے گا کہ جب صادقین نہیں ہیں تو کس کے ساتھ ہو جائیں سو جب تک **کونوا** کا امر ہے صادقین کا وجود بھی ضروری ہے۔ من جدّ وجد.

فرمایا:۔ اعتکاف کی حالت میں حاجت طبعی یا شرعی کے لئے مسجد سے باہر چلا جائے اور بجائے وضو کرنے کے غسل کرتا آئے تو جائز ہے مگر بلاوجہ دیر نہ لگائے۔

البتہ مسجد سے غسل جمعہ بہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خروج بغیر حاجۃ الطبیعہ والشرعیہ ہوا ہے اور پہلا خروج اجازت شرعیہ سے ہوا ہے۔

فرمایا:۔ شروع رات میں قدرے استراحت کرے، آخری رات کو بیدار ہو کر عبادت کرے یعنی زیادہ حصہ اول رات کی بجائے آخری شب میں گذارے۔

فرمایا:۔ مذاہب اربعہ معلوم کرنے ہوں تو اس بارے میں امام شعرانی کی المیزان کتاب ہے، البدایہ والنہایہ میں مذاہب اربعہ کے حوالے نقل کئے ہیں۔

فرمایا:۔ مفتی کو چاہیے کہ عوام الناس کو قواعد کلیہ نہ بتائے بلکہ جو اس نے سوال کیا اس جزیہ کا جواب دیدے اور جواب میں تشقیق نہ کرے کہ اگر ایسا ہو تو یہ جواب ہے ایسا ہو تو یہ جواب ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو سوال کی وضاحت کرالے۔

فرمایا:۔ نماز کی ادائیگی کی ظاہری و باطنی اصلاح کرے اور کچھ نہ کچھ انفاق بھی کیا کرے، حضرت مولانا تھانویؒ اپنی کمائی کا ایک تہائی خیرات کردیا کرتے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کمائی کا ایک خمس خیرات کرتے تھے۔ (یعنی پانچواں حصہ)

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ان کے پاس تین چپاتیاں آتی تھیں، ان میں ڈیڑھ چپاتی خود تناول فرماتے ایک چپاتی خیرات کردیتے اور آدھی کسی کو ہدیہ کردیتے تھے اور کھانے کے ریزے جو دسترخوان پر گرتے وہ پرندوں یا چیونٹیوں کو ڈلوا دیتے تھے، اس لئے عالم کو انفاقِ فرض کے ساتھ کچھ انفاق نفل بھی کرنا چاہیے۔

فرمایا:۔ مدرّس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کردیا، کتاب سمجھادی اور میرا حق ادا ہوگیا۔ اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہوجائیں گے یا مدرس بن جائیں گے۔ یہ کافی نہیں ہے زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں اگر عمل کرلیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کرلیا اس لئے عمل کرنے اور کروانے کی نیت سے پڑھنا پڑھا چاہیے۔

فرمایا:۔ خشوع ظاہری سکون کو اور خضوع باطنی سکون کو کہتے ہیں، نماز کے اندر خشوع اور خضوع دونوں ہونے چاہئیں۔

فرمایا:۔ وساوس کا ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے اس کی تو فکر نہ کریں مگر ایک درجہ اختیاری ہے۔ مثلاً یہ کہ اول ہی سے طہارت کا پورا خیال کرلیا جائے پھر وضو باقاعدہ سنت طریقے سے کیا جائے وضو اور نماز کے درمیان میں کوئی دینوی کام یا بات چیت نہ کی جائے اسی طرح نماز شروع کرنے کے متصل کوئی کام ایسا کر رہا ہے یا خیالات میں لگا ہوا ہے تو اسے ختم کرے تاکہ اس کام کے خیالات نماز میں نہ ستائیں۔ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو ایک ساعت یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اب حق تعالیٰ سے ہم کلامی ہوگی میں نماز ادا کر رہا ہوں مجھے دھیان کرنے کی ضرورت ہے پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور نیت کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے روبرو فلاں نماز پڑھتا ہوں اور تکبیر کہتا ہوا ہاتھ باندھ لے۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک نسخہ لاکھ روپے کا بتلایا ہے اور فرمایا تھا کہ جو اسے کرے گا اس وساوس مضر نہ ہوں گے۔ پہلے لوگ تو اس حضور قلبی کے حصول

کے لئے چلہ کشی کیا کرتے تھے۔ مگر میں صرف اتنا بتاتا ہوں کہ جو الفاظ پڑھتے جاؤ، ان الفاظ کی طرف اپنا دھیان رکھو یا ان کے معنی سوچتے جاؤ اس فکر سے پڑھو، کر کے تو دیکھو۔

فرمایا:۔ بعض اصحابِ حال لوگوں کی حکایات پڑھی کہ ان کے کھیت میں اتفاق سے دوسرے کا بیل چلا آیا تو فکر دامنگیر ہوئی کہ ضرور اس بیل کے پیروں میں مٹی لگی ہوگی اور وہ دوسرے کے کھیت کی ہے میرے کھیتے میں جھڑ کر گر گئی ہوگی اور بیل مالک کی بغیر اجازت گھس آیا ہے اور اب اس مٹی پر میں بیج ڈالوں گا تو دوسروں کی مٹی میں اُگے گا تو یہ گندم میرے لئے جائز ہوگی یا ناجائز؟

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دقیق تقویٰ ہوتا ہے اور دوسرا سدّاً للذرائع ہوتا ہے یہ دقیق تقویٰ متقدمین صوفیا میں پایا جاتا ہے ان ہی کی ایسی حکایات منقول ہیں۔ سدّاً للذرائع کا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ چیز مباح ہوتی ہے مگر اس مباح چیز کو اس لئے ترک کرادیتے ہیں کہ یہ معصیت یا نفس کی حیلہ سازی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اس پر حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت کے پاس ایک لفافہ ایسا آیا کہ اس پر ٹکٹ تھا مگر ڈاک خانے کی مہر لگنا رہ گئی تھی اسے اتار کر فرمایا کہ اب اس کا کیا کیا جائے۔ دوباہ اس کا استعمال تو جائز نہیں کیونکہ یہ ایک بار استعمال ہو چکا ہے۔ اس کا کام پورا ہو گیا۔ لہٰذا اسے چاک کر دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے اس کا استعمال جائز تھا کیونکہ میں حکومت کو اتنا ٹیکس دے چکا ہوں، اس میں محسوب کر سکتا ہوں مگر اس لئے محسوب نہیں کیا کہ

کہیں نفس کو حیلہ نہ مل جائے کہ ہر معصیت میں بھی یہی حیلہ چلانے لگے گا یہ سداً للذرائع کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ایک واقعہ نقل فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیروں سے کہا حالانکہ ان کی شریعت میں بھی یہ جانور ناپاک ہے۔

فرّوا ایها الخنازیر بسلام.

''اے خنزیرو سلامتی کے ساتھ بھاگ جاؤ۔''

اس پر کسی نے ان سے عرض کیا کہ خنزیروں کے ساتھ یہ بسلام کا لفظ کیسا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ زبان کو بُرا کہنے کی عادت نہ پڑ جائے اس لئے بُرے الفاظ بولنا ہی نہ چاہئے۔ سداً للذرائع.

ملفوظ:۔ ایک تو برکت کی تشریح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے وہ یہ کہ آمدنی اپنی ہی ذات پر خرچ ہو دوسروں پر نہ لگے جیسے ڈاکٹر، وکیل وغیرہ برکت والی کمائی ان پر خرچ ہونے سے بچی رہتی ہے، حلال کمائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایسی آفتوں سے اسے بچائے رکھتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ رات دن میں اس شخص کے کام بسہولت ہو جاتے ہیں یا تو خرچ ہی نہ ہوا یا دوسروں کی بنسبت کم خرچ میں کام ہو گیا۔ مثلاً دوسروں کو دس روپے میں کام ہوا، اس کا وہی کام چار روپے میں ہو گیا یا دوسرے نے سو روپے خیرات کئے جس سے کام بن گیا برکت والے نے دس روپے خیرات کئے اور کام بن گیا یا وقت کی بچت ہو جاتی ہے۔ غیر برکت والا کام بہت دیر سے ہوتا

ہے اور برکت والا کام جلدی ہوجاتا ہے یہ سب برکت ہونے کا سبب ہے یا اسے برکت کہیں گے۔

ارشاد:۔ شیخ سے مناسبت کا مقصد یہ ہے کہ اسے یوں سمجھے کہ دنیا میں میری اصلاح کے لئے ان سے بہتر اور کوئی نہیں ہے۔ اگر شیخ سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تب بھی محبت زائل نہ ہو۔ شیخ کے قول وفعل سے دل میں کوئی اعتراض پیدا نہ ہو حتیٰ کہ اس سے کوئی معصیت سرزد ہوجائے تب بھی انقباض نہ آئے کہ یہ بھی انسان ہے اور معصوم نہیں ہے۔ بشریت سے ایسا ہوگیا ضرور رجوع کرلیا ہوگا۔ بالکل باپ کی طرح کہ باپ سے غلطی بھی ہوجائے تو بیٹے کے دل میں اس کا باپ ہونا نہیں نکلتا بلکہ اس کی بات بناتا ہے۔ اور شیخ کی خدمت لگا رہے، بغیر خدمت کے مناسبت پیدا نہیں ہوتی اور خدمت کرتے کرتے دل سے دعا نکلتی ہے، بس اسے ہی نظر کہتے ہیں۔ اس دعا سے کام بن جاتا ہے۔ صحابۂ کرام ہمہ وقت خدمت میں لگے رہتے تھے، اشارے پر کام کرتے تھے، جان دیتے تھے، محبت میں سرشار تھے اس قسم کا برتاؤ اپنے شیخ سے رکھے کہ وہ نائب رسول ہے، اس کی راحت کا خیال رکھے اور اسے تکلیف سے بچانے کا خیال رکھے اس پر حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرید غلام بھیک کی حکایت سنائی کہ کسی بات پر ابوالعالیہؒ غلام بھیک سے ناراض ہوگئے اور باہر نکال دیا۔ غلام بھیک رات دن خدمت کیا کرتے مگر وہاں تو اللہ واسطے کی محبت تھی، برسات آئی، مکان کچا تھا، ٹپکنے لگا، بیوی نے کہا کہ ایک تو کام کا آدمی تھا، اسے نکال باہر کیا، ہم پر مصیبت اُتری ہے، حضرت بولے میں نے نکالا، تم نے تو نہیں نکالا، تم بلالو اور اس پر بیوی نے غلام بھیک کو بلایا کہ

چھت ٹھیک کردے، وہ فوراً آئے اور چھت کوٹ رہے تھے، حضرت ابوالعالیہؒ کو یہ ادا پسند آئی اور آدھی روٹی ہاتھ میں لے کر آواز دی کہ دن بھر کام کرتے ہوئے ہوگیا، کھانے کی آواز سن کر غلام بھیک چھت پر سے کود پڑے، اتنی خوشی ہوئی کہ سیڑھی سے اترنا بھی دیر سمجھا وہیں سے کود پڑے یہ لگاؤ ہو، تب کام چلتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدؐ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم.

شیخِ ثانی

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ

خلیفۂ مجاز

حکیم الامت مجدّد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کے احوال، تعلیمات، اندازِ بیان
اور ان کی شفقت ومحبت

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا

فرمایا:- ہر عمل کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور جب وہ خاصیت آدمی میں رونما ہوتی ہے تو عجب و ناز پیدا ہوتا ہے، اس لئے اجازت لی جاتی ہے، تا کہ ناز نہ ہو کہ یوں سمجھے گا کہ فلاں شخص کی اجازت سے یہ کام کیا تھا، یہ ان کی برکت ہے، ان کی دعا کا اثر ہے، میں تو ان کا ایک خادم ہوں۔

فرمایا:- یاس اور ناز دونوں سبب ہلاکت ہیں، ان دونوں سے حفاظت کے لئے شیخ کا ہونا ہے۔

فرمایا:- خاتمہ بالخیر بڑی نعمت ہے، اس کے لئے بھی شیخ کا ہونا بڑا ضروری ہے، اس لئے کہ خاتمہ کے وقت جو جو وساوس شیطان ڈالے گا وہ سب وساوس وخطرات کا علاج شیخ سے کرا چکا ہوگا، اگر ہزار شیطان کہے گا تو خود شیخ کی بات یاد آ جائیگی۔

فرمایا:- ساری شریعت کا خلاصہ حقوق وحدود ہیں، آدمی یہ جان لے کہ شرعی حدود اور حقوق کیا کیا ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت والد ماجدؒ کا سنہری معمول

ناچیز نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن ہی سے ہمیشہ یہ معمول دیکھا، سکھر میں جب کوئی بزرگ تشریف لاتے، حضرت والد ماجدؒ ہم بھائیوں کو اور اپنے خاص احباب کو ساتھ لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور موقعہ ملنے پر ہمیں ان کی خدمت پر پیش کر کے دعا کراتے، اور اگر کوئی بزرگ سکھر تشریف نہ لاتے، لیکن کراچی سے لاہور، یا لاہور سے کراچی، جاتے ہوئے روہڑی اسٹیشن سے گزرتے تو ہمیں، اور اپنے احباب کو لیکر روہڑی اسٹیشن تشریف لیجاتے، اور ان بزرگ سے ملتے، ان کے ارشادات سنتے، اور دعائیں لیکر واپس لوٹتے۔

چنانچہ اس معمول کی برکت سے ناچیز کو بچپن ہی میں بہت سے بزرگوں کی زیارت نصیب ہوئی، جس کا ایک حسین اور منوّر نقش دل پر قائم ہے۔ **اللھم لک الحمد ولک الشکر.**

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی خدمت میں پہلی حاضری

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس مبارک معمول کے طفیل حضرت والا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بھی

حاضری نصیب ہوئی، آج سے کوئی بیس پچیس سال پہلے حضرت والاؒ سکھر میں جناب حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کے یہاں تشریف لائے، حضرت والد ماجدؒ کو اطلاع ہوئی، چنانچہ ناچیز ان کے ہمراہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ کے گھر حاضر ہوا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ان کے موجودہ مکان کی بیٹھک کے ایک کونہ میں سر جھکائے بالکل خاموش تشریف فرما تھے، نہ بیان تھا، نہ دعا تھی، مگر عجیب پُر کیف مجلس تھی، حاضرین کے قلوب آپ کے فیضانِ صحبت سے سیراب ہو رہے تھے، اور جنہیں حق تعالیٰ نے نورِ باطن عطا فرمایا ہے نہ جانے انہیں کس قدر نفع ہوا ہوگا؟ یہ طفلِ مکتب اور عشق ومحبت سے بیگانہ جب گھر واپس پہنچا تو بے ساختہ زبان پر حق تعالیٰ جلّ شانہ کا ذکرِ مبارک جاری ہوگیا، جو اس سے پہلے زبان پر جاری نہ تھا، اس غیر معمولی کیفیت پر مجھے تعجب ہوا، لیکن فوراً ہی ذہن میں آیا کہ یہ سب حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کا فیض ہے، اور اسی وقت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت ومحبت دل میں اتر گئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سب سے پہلی زیارت اور خدمت اقدس میں حاضری تھی اس کے بعد پھر کبھی سکھر میں حضرتؒ کی زیارت نہیں ہوئی۔

ناچیز جامعہ اشرفیہ والس روڈ سکھر میں حضرت والد ماجدؒ اور دیگر اساتذۂ کرامؒ سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتا رہا اور جب ''موقوف علیہ'' تک کتابیں پڑھ لیں، تو ۹۰-۱۳۸۹ھ میں دورۂ حدیث کے لئے حضرت والد ماجدؒ نے دارالعلوم کراچی میں سیدی ومولائی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا جو ناچیز کے لئے نہایت مبارک اور مسعود ثابت ہوا۔

دو مرشد

دارالعلوم کراچی پہنچ کر مرشدِ اول سیدی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور تعلیم شروع ہوگئی، ان دنوں پاکستان میں ہفتہ وار سرکاری چھٹی اتوار کو ہوتی تھی، چنانچہ اتوار کے دن صبح 11:30 بجے اور 12:30 بجے کے درمیان حضرت مفتی صاحبؒ کی عام مجلس ہوتی تھی، شہر کراچی اور دارالعلوم کے قرب وجوار سے بہت سے حضرات تشریف لاتے اور مجلس میں شریک ہوتے، دوسری مجلس جمعرات کے روز عصر کے بعد ہوتی، اور ویسے روزانہ بھی کچھ دیر عصر کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ دارالافتاء کے سامنے والے چبوترہ پر تشریف لے آتے اور کچھ احباب واساتذہ حاضرِ خدمت ہوتے، ناچیز بھی حسبِ توفیق ان مجالس خیر میں شریک ہوتا رہتا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی فیض رسانی سے چونکہ ناچیز پہلے ہی متأثر ہو چکا تھا اس لئے آپ کی مجلس کی جستجو پیدا ہوئی، معلومات کرنے پر علم ہوا کہ پاپوش نگر میں مطب کے قریب جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد حضرتؒ کی مجلس عام ہوتی ہے، چنانچہ وہاں حاضری ہوئی اور حضرت کی زیارت اور مبارک مجلس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اور پھر الحمد للہ سالہا سال تک پابندی سے جمعہ کے روز شرکت ہوتی رہی پھر وفات سے چند سال پیشتر بجائے جمعہ کے، پیر کو حاضری ہوتی رہی، اور وفات تک یہ نعمتِ کبریٰ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائی۔

کراچی پہنچ کر اور بھی بہت سے اکابر ومشائخ کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن دلی مناسب اور قلبی رجحان اول حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف، اور

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی طرف رہا، اور اسی ترتیب سے ناچیز نے ان دونوں بزرگوں سے اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کیا، اس طرح حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ناچیز کو ان دونوں بزرگوں سے وابستہ فرمایا اور ان کی مجالس میں شرکت کی خوب سعادت بخشی، حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں تقریباً پانچ سال اور حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی خدمت میں پندرہ سال رہنے کی توفیق میسر ہوئی، مجھ حقیر پر ان بزرگوں کی بڑی شفقتیں اور عنایتیں رہیں جس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ان دونوں اکابر سے بہت گہرا اور خاص تعلق تھا، اس لئے بھی یہ دونوں مجھ پر مثل باپ کے شفیق اور مہربان تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے اصلاحی تعلق

شروع میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد باقاعدہ بیعت واصلاح کا تعلق حضرت مفتی صاحبؒ سے قائم کیا، لیکن ساتھ ہی بحمد اللہ جمعہ کو پابندی سے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس میں حاضری ہوتی رہی، پھر جب حضرت مفتی صاحبؒ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تو باقاعدہ اصلاحی تعلق حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے قائم کیا، ایک بار بیعت کی درخواست بھی پیش کی، لیکن حضرتؒ نے فرمایا حضرت مفتی صاحبؒ سے بیعت کا قوی ترین تعلق ہوتے ہوئے مجھ سے بیعت کی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ پھر ناچیز نے اصرار بھی نہیں کیا، کیونکہ بیعت ہونا، ضروری نہیں البتہ اصلاح ضروری ہے، اور یہی اصل چیز ہے، وہ الحمد للہ جاری رہی۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی مجلس

اوپر عرض کیا کہ شروع میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس پاپوشنگر میں جمعہ

کے روز ہوا کرتی تھی، اس مجلس میں پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سنائے جاتے تھے اس کے بعد حضرت والا کا مختصر بیان ہوتا تھا، اور آخر میں حضرت اپنے مخصوص انداز میں طویل مگر بڑی والہانہ دعاء فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ملفوظات پڑھوانے کا سلسلہ موقوف ہوگیا، صرف حضرت ہی کا بیان ہوتا، اور الہامی دعاء ہوتی، اور مجلس بھی بجائے پاپوشنگر کے حضرت کے مکان واقع نارتھ ناظم آباد ایف بلاک میں ہونے لگی اور پھر وفات تک گھر ہی پر یہ مبارک مجلس جاری رہی۔

حضرتؒ کا اندازِ بیان

حضرتؒ کا اندازِ بیان ایسا منفرد اور دلنشین تھا کہ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچنا کم ازکم مجھ ناچیز کے لئے مشکل ہے، لہجہ کی شیرینی، ادب کی سلاست، الفاظ کی روانی، اور مضمون کی جامعیت، یہ سب خوبیاں اس بے تکلفی سے جمع تھیں کہ بالکل شیر وشکر معلوم ہوتی تھیں اور ان سب پر للّٰہیت اور روحانیت اس قدر غالب تھی کہ بیان کا براہِ راست دل پر اثر ہوتا، مجلس میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوتا جس پر حضرتؒ کی باتوں کا اثر نہ ہوتا اور اس پر کمال یہ کہ حضرتؒ کا یہ انداز ہمہ وقتی تھا، اس لئے ناچیز اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ ایسا شفقت بھرا اندازِ بیان حضرتؒ ہی کا امتیازی نشان تھا، قارئین حضرتؒ کی مطبوعہ مجالس ''افاداتِ عارفی'' سے اس کا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی تعلیمات کا عملی نمونہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی قدس سرہ کی تعلیمات کا چلتا پھرتا، جیتا

جاگتا، نمونہ اور ان کے مزاج و مذاق کے سچے امین تھے، چنانچہ آپ کی مجلس کا اصل محور اور مرکزی نقطہ تعلیماتِ اشرفیہ اور مزاجِ اشرف کا بیان ہوتا، ہر مجلس میں مختلف انداز سے ذوقِ اشرف کی تفسیر وتشریح فرمایا کرتے اور فرماتے مجھے اپنا ذوق نہایت عزیز ہے، اور شیخ سے جو چیز حاصل کی جاتی ہے وہ یہی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی بڑی حفاظت فرماتے تھے اور تلقین کرتے تھے اور آج کل سب سے زیادہ اسی کا فقدان ہے، اور نیز حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ اور تصنیفات وتالیفات کا جو عطرِ میمون حضرتؒ کے پاس تھا بس اُسی سے تمام اہلِ مجلس کو مہکایا کرتے تھے اور ذوقِ اشرف کے بیان کے وقت اکثر یہ شعر سنایا کرتے تھے۔

عارفی میرا ہی دل ہے محرمِ ناز و نیاز
بعد میرے رازِ حسن و عشق سمجھائے گا، کون

بعض مرتبہ فرماتے بھئی! میں نہ عالم ہوں، نہ مفسّر، نہ مدرس ہوں نہ مقرر، نہ خطیب ہوں نہ واعظ کہ نئے نئے وعظ کہوں یہ علماء کا کام ہے، میں نے حضرتؒ حکیم الامّت، مجدّد الملّت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی فیضِ صحبت سے کچھ باتیں اخذ کی ہیں جن سے مجھ کو بہت نفع ہوا ہے، وہ سب مستند ومعتبر ہیں، وہی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا رہتا ہوں اور ان کا تکرار کرتا ہوں، اور دین کی باتوں کا تکرار بھی بلاشبہ مفید ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات بار بار کہی جائے، اور کان میں پڑتی رہے تو آخر وہ دل میں جم جاتی ہے اور پھر عمل کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ کی تعلیمات کا خلاصہ

چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی پُر اثر مجالس میں اکثر تعلیماتِ اشرفیہ کا خلاصہ اور لبِّ لباب ارشاد فرمایا کرتے تھے، ان میں سے چند اہم اور زیادہ سے زیادہ مفید باتیں قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں، ان کو لیجئے اور عمل کر کے دونوں جہاں کی سرفرازی حاصل کیجئے۔ اللھم وفقنا، اللھم وفقنا، آمین

اتباعِ سنّت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اتباعِ سنّت پر بہت زور دیا کرتے تھے، اور بہت کثرت سے اس کا بیان فرماتے، اور اس کی اہمیت ذہن نشین فرماتے، کبھی فرماتے، ہمارے سلسلہ میں باطنی نفع جلد شروع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اتباعِ سنّت اصل چیز ہے، اول بھی یہی ہے اور آخر بھی یہی ہے، اس کا بہت اہتمام کرنا چاہیے، کبھی فرماتے بھئی! اتباعِ سنّت ایسی عظیم نعمت ہے کہ اگر بلا قصد وارادہ بھی اس پر عمل ہو جائے تب بھی نفع سے خالی نہیں ہے، اور کبھی فرماتے اتباعِ سنت حق تعالیٰ تک پہنچنے اور ان کے نزدیک محبوب ہونے کا سب سے زیادہ محفوظ و مامون اور سہل ترین راستہ ہے۔

ایک بار فرمایا مجھے بچپن ہی سے یہ خیال تھا کہ کوئی ایسی جامع کتاب ہو جس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق رسالتمآب ﷺ کی تعلیمات اور سنّتیں مستند اور معتبر کتابوں سے جمع ہوں، تا کہ اس کو پڑھ کر ہر شخص بآسانی عمل کر سکے، الحمد للہ ثم الحمدللہ ''اسوۂ رسول اکرم ﷺ'' اسی جذبہ کے تحت لکھی گئی ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اَقُوْلُ کہیں نہیں ہے یعنی اپنی طرف سے کوئی بات

نہیں کہی گئی جو کچھ بھی ہے، وہ قَـــــالَ ہے یعنی ہر بات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے، چنانچہ اس میں زندگی کے مختلف حالات کے متعلق تقریباً ۶۵۶ رعنوانات ہیں، ہر عنوان کے تحت احادیث ہی جمع کی گئی ہیں۔

حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ اور اتباعِ سنّت

حضرتؒ نے اتباعِ سنّت کے موضوع پر بیان کرتے ہوئے کئی بار حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی سنایا کہ جب حضرت مجدّد الف ثانیؒ تمام علومِ ظاہرہ پڑھ کر فارغ ہوگئے اور قرآن وسنّت کے تمام علوم پر یدِ طولیٰ حاصل کر چکے تو ایک روز فرمانے لگے تمام علوم ہم نے حاصل کر لئے، ان خانقاہوں میں بیٹھنے والے درویشوں کے پاس کون سے علوم ہیں؟ چل کر دیکھنا چاہئے!

چنانچہ سب سے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کے یہاں وہ کون سے علوم ہیں، جن کا آپ درس دیتے ہیں؟ فرمایا: ہماری خانقاہ میں رہو، علم ہو جائے گا، حضرت مجدّد الف ثانیؒ ان کی خانقاہ میں رہ پڑے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر ان کی راہنمائی میں ذکر وشغل اور اصلاحِ باطن میں مشغول ہوگئے جس سے اُن پر ایسے ایسے علوم آشکارا ہوئے جنہیں دیکھ کر حضرت مجدّد الف ثانیؒ دنگ رہ گئے اور بالآخر اس مقام کو پہنچ گئے کہ ان کا باطن چمک گیا اور قلب ذکرِ الٰہی کے انوار سے منور ہوگیا، اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت سے نواز دیا۔

اس کے بعد حضرت مجدّد صاحبؒ دوسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، اور ان سے بھی دریافت کیا کہ حضرت! آپ کون سے علوم

کی تعلیم دیتے ہیں؟ فرمایا یہاں رہو پتہ چل جائے گا، چنانچہ حضرت مجدّد صاحبؒ ان بزرگ کی خانقاہ میں رہ پڑے اور ان کی ہدایت کے مطابق تربیتِ باطن میں مشغول ہوگئے جس کے نتیجہ میں باطن میں ایسی ترقی ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور ایسے ایسے علوم قلب پر وارد ہوئے جو نہ کسی کتاب میں پڑھے اور نہ آج تک کسی سے سنے، بالآخر ان بزرگ نے بھی فرمایا کہ ہمارے یہاں جو کچھ سکھایا جاتا ہے، آپ کو سکھا دیا۔

اب حضرت مجدّد صاحبؒ تیسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ حضرت! تمام علوم کا درس تو اہلِ مدارس اور اہلِ علم دیا کرتے ہیں، آپ کے یہاں کون سے علوم کی تعلیم ہوتی ہے، فرمایا ہمارے علوم کا تعلق حال سے ہے، قال سے نہیں ہے، اگر آپ انہیں سمجھنا اور حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ ہماری خدمت میں رہو، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کا علم ہو جائے گا، چنانچہ حضرت مجدّد صاحبؒ ان کی خانقاہ میں مقیم ہوگئے اور ان کی ہدایات کے مطابق اصلاحِ قلب اور تربیتِ ظاہر و باطن میں مشغول ہوگئے، اور چند ہی روز میں پہلے سے کہیں زیادہ حق تعالیٰ کا قرب محسوس ہونے لگا، اور باطنی علوم کا دریا دل میں بہنے لگا، جس کا آج تک دل میں خیال بھی نہ گزرا تھا، اور اُن بزرگؒ نے بھی حضرت مجدّد صاحبؒ کو فرمایا: جو کچھ ہمارے یہاں سکھایا اور بتایا جاتا ہے وہ آپ کو سکھا دیا۔

اس کے بعد حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان سے بھی عرض کیا یا حضرت! آپ کن علوم

کا درس دیتے ہیں، آپ کے یہاں کون کون سی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا اگر ہمارے یہاں رہ جاؤ تو ان علوم کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے، محض زبانی بات چیت سے سمجھ میں آنا مشکل ہے، چنانچہ حضرت مجدّد صاحبؒ ان سے بھی بیعت ہوگئے اور ان کی خانقاہ میں ٹھہر گئے اور جس جس طرح انہوں نے ذکر و شغل اور مراقبہ کرنے کو کہا اسی طرح کرنے لگے اور ان کی راہنمائی میں مقامات باطن طے کرنے لگے، اور بہت جلد تمام مقامات طے کر لئے اور ان بزرگ نے بھی حضرت مجدد صاحبؒ کو جو کچھ سکھانا تھا، سکھا دیا۔

اس طرح حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام علومِ ظاہرہ حاصل کرنے کے بعد تربیتِ باطن کے چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے مشائخ کی جانب سے باطنی علوم کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی اور آپ ظاہری اور باطنی علوم سے مالا مال ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مجدّد صاحبؒ نے قربِ خداوندی کی لا متناہی منزلیں طے کرنی شروع کیں اور ان کے دل میں بے پناہ علوم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا، اور پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ ہونے لگا جیسے حضرت عارفِ رومیؒ کا شعر ہے۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

حضرت مجدّد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خود سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر پگڑی باندھی اور مجدّد ہونے کی خلعت سے نوازا، اس کے بعد بہت تیزی سے عروج ہوا، اور اس قدر

ترقی ہوئی کہ بیان نہیں کرسکتا، تمام حجابات مرتفع ہوگئے بس ایک حجاب، حجابِ اکبر میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان رہ گیا، اور میں ایسے مقامِ نازک پر پہنچ گیا کہ اگر زبان کھولوں اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کروں تو علماءِ ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ دیں، اور علماءِ باطن مجھے ملحد و زندیق کہیں، لیکن مجھے سوائے خدا کے کسی کی پرواہ نہیں۔

پھر فرمایا اس بلند مقام پر پہنچ کر مجھے جو چیز سب سے اہم اور باطن کی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ اور حق تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے آسان اور اسلم راستہ معلوم ہوا، اور جو میری سب سے بڑی آرزو اور تمنا رہی وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ مرتے دم تک صرف اور صرف رسالت مآب ﷺ کی سنتوں کے اتباع کی توفیق عطاء فرمائے اور اسی پر خاتمہ ہو، آمین۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سنّت

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ اتباعِ سنّت کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی بار بار سنایا کرتے تھے کہ ایک بار حضرت تھانویؒ نے اتباعِ سنت کے موضوع پر وعظ کہا، دورانِ وعظ رحمتِ عالم ﷺ کی کھانے کی چیزیں بھی ذکر کیں، جن میں آپ کی ایک مرغوب اور پسندیدہ غذا لوکی بھی بیان کی، اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے دیکھا کہ ان کے گھر میں روزانہ لوکی پکنے لگی، جب کئی روز گزر گئے تو ایک روز حضرتؒ نے اہلیہ محترمہ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے، روزانہ لوکی پک رہی ہے؟ اہلیہ محترمہ نے عرض کیا، آپ ہی نے وعظ میں بیان فرمایا تھا

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی بہت پسند تھی، یہ سن کر اسی دن سے میں نے بھی اس کا اہتمام شروع کر دیا اور خادم سے کہدیا کہ جب تک لوکی کی فصل چلے تم لوکی ہی لاتے رہنا، یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ لرز گئے، اور دل دل میں سوچنے لگے کہ ہم صبح سے شام تک قرآن وسنّت کا درس دیتے ہیں، مگر ہم میں کبھی اتباعِ سنت کا ایسا جذبہ پیدا نہ ہوا جیسا اس خاتون کے دل میں پیدا ہوا، اسی وقت سے حضرت تھانویؒ نے اپنی ہر نشست و برخواست، چال ڈھال، وضع قطع، بول وچال غرض کہ ہر ہیئت وحالت کا جائزہ لینا شروع کیا اور تین دن تک اپنی ہر ہر بات کو سنّت کے معیار پر جانچا اور سنّت کے مطابق پا کر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ حضرات پر لازم ہے کہ اتباعِ سنّت کو مضبوطی سے تھامیں اور اس میں ذرا کمی کوتاہی نہ ہونے دیں، اگر اتباعِ سنّت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے، خواہ ہوا پر اڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو۔

رجوع الی اللہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اتباعِ سنّت کے بعد جس اہم بات کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے، وہ رجوع الی اللہ یعنی اپنے ہر کام میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور دعاء کرنا، بہت کثرت سے حضرتؒ اس کو بیان فرمایا کرتے تھے، کبھی فرماتے ہر طرف حادثات ہیں، سانحات ہیں، واقعات ہیں، پریشانیاں ہیں، دشواریاں ہیں، تکلیفیں ہیں، مصیبتیں ہیں، خطرناک بیماریاں ہیں، منکرات اور فواحشات اور بے حیائی و بے غیرتی کا سیلاب ہے، ایسے حالات میں نجات کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف رجوع کیا

جائے، اسی سے عافیت مانگی جائے، کیونکہ سب کچھ اسی کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اور وہی ہر طرح قادر ہے جو اس کی طرف رجوع ہوگا اس کو ضرور پناہ ملے گی۔

بہتر یہ ہے کہ شب کے اخیر حصہ میں اٹھ کر بیٹھ جائیں اور بارگاہِ الٰہی میں نیاز مندانہ ہاتھ پھیلا دیں اور التجاء کریں یا اللہ! آپ ان سب پریشانیوں سے نجات عطا فرمایئے اور حفاظت فرمایئے، ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمانوں میں تازگی عطا فرمایئے، تقاضائے ایمانی بیدار فرمایئے، ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت دیجئے، اور غیرت پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ظاہری و باطنی ہلاکتوں سے بچا لیجئے یا اللہ! اپنی مغفرت و رحمت کا مورد بنا لیجئے اور عذابِ نار سے بچا لیجئے۔

جب بھی کوئی کام کرنا ہو بڑا ہو یا چھوٹا، آسان ہو یا مشکل، علمی ہو یا عملی، دینی ہو یا دنیوی فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں، اور عرض کریں یا اللہ! آپ میری مدد فرمایئے، آسان فرما دیجئے، پورا فرما دیجئے، قبول فرما لیجئے، پھر دیکھئے آپ کے کاموں میں کیسی آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان فرمایا کہ حضرتؒ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص حضرت سے کوئی بات دریافت کرتا تو جواب سے پہلے حضرت دل ہی دل میں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے اور جواب دینے میں حق تعالیٰ سے مدد چاہتے، چنانچہ اس کے بعد بتوفیق اللہ جو جواب مرحمت فرماتے وہ ہر لحاظ سے کامل ہوتا یہ سب رجوع الی اللہ کی برکت تھی، آج بھی جو شخص چاہے اس نسخہ کو آزما لے۔

آج کل لوگ بیماریوں میں پریشانیوں میں، تکالیف وغیرہ میں ظاہری تدابیر تو بہت کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہیں ان کی طرف رجوع نہیں کرتے اور جو رجوع ہوتے ہیں وہ پوری توجہ اور یقین سے رجوع نہیں ہوتے جس کے نتیجہ میں وہ رجوع الی اللہ کی برکات سے محروم رہتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف بالکل عاجز ومحتاج بن کر بھکاری اور سوالی بن کر رجوع ہونا چاہیے، اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ دعا کرنی چاہیے۔

وساوس وخطرات کا نیا علاج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر بھی بڑے شرح وبسط کے ساتھ کلام فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کا ایک ایسا علاج بیان فرمایا جو نہایت آسان اور وساوس کو ختم کرنے والا ہے، فرمایا قلب وذہن میں خواہ کتنے ہی خبیث اور گندے خیالات آئیں، کفر وشرک کے اور دیگر ناپاک وساوس آئیں، جنہیں زبان پر لانا بھی ناقابلِ تحمل ہو، ہرگز ان سے نہ گھبرائیں اور قطعاً ان کی پرواہ نہ کریں، بلکہ فوراً دل ہی دل میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور عرض کریں یا اللہ! یہ سب وساوس وخطرات نفس وشیطان کے پیدا کردہ ہیں، یا اللہ! میں ان سے بیزار ہوں اور بری ہوں، آپ سے عرض کرتا ہوں میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے کچھ تعلق نہیں ہے یا اللہ! آپ مجھ سے ان پر مؤاخذہ نہ فرمائیے گا، اتنا کرنے کے بعد بے فکر اور مطمئن ہوجائیں، تمہیں ان سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا، اور بہت جلد وہ دفع ہوجائیں گے، اور آئندہ بھی جب کبھی کوئی پریشان کن خیال آئے اس کا یہی علاج کرلیا کریں۔ بلاشبہ یہ علاج بہت مفید ہے اور بالکل نیا ہے، ہر

شخص اس کے ذریعہ اپنے وساوس وخطرات کا کامیابی سے علاج کرسکتا ہے۔

معمولات پر مداومت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ معمولات کی پابندی اوران پر ہمیشگی کی بہت تاکید فرمایا کرتے تھے اور خود بھی معمولات کے بیحد پابند تھے، ایک بار فرمایا: الحمدللہ! میرے معمولات ناغہ نہیں ہوتے، پابندی کرتے کرتے اب ان کی ایسی عادت ہوگئی ہے جب ان کا وقت آتا ہے بغیر کسی تکلیف کے خود بخود پورے ہونے لگتے ہیں۔

ایک مرتبہ معمولات کی پابندی کے سلسلہ میں ایک اہم گُر یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی ایسا عذر یا کوئی ایسی مشغولیت پیش آئے جس سے معمول فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی معمول کو ناغہ نہ کریں، بلکہ اگر پورا نہ کرسکیں تو آدھا ادا کریں، آدھا نہ کرسکیں تو تہائی ادا کرلیں۔ مثلاً پوری تسبیح نہ پڑھ سکیں تو تینتیس (۳۳)، تینتیس (۳۳) مرتبہ پڑھ لیں ورنہ گیارہ مرتبہ، یہ بھی مشکل ہو تو تین تین مرتبہ یہ بھی نہ کرسکیں تو ایک مرتبہ ہی پڑھ لیں، اور اس تفصیل کے مطابق تمام معمولات مختصر کرلیا کریں، اگر کبھی معمول بالکل ہی ناغہ ہوجائے تو اس وقت استغفار سے تلافی کرلیں اور فقہی اعتبار سے گو ان معمولات کی قضاء نہیں ہے، لیکن نفس کو آزادی سے بچانے کے لئے کسی دوسرے وقت اس معمول کو اداء کرلیا کریں، ایسا کرنے سے تمہارا نفس وقت پر معمول پورا کرنے پر آمادہ ہوجائے گا۔ تاہم اگر کبھی کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ایسا ہوجائے کہ ان صورتوں میں سے کسی صورت پر عمل نہ کرسکے تو اس وقت کم از کم استغفار ہی سے تلافی کرلیا کریں۔

ایک روز حضرتؒ نے اپنا طرزِ عمل بیان فرمایا کہ جب میں صبح مطب جاتا

ہوں تو مطلب پہنچنے تک گاڑی ہی میں تمام تسبیحات کا معمول پورا کر لیتا ہوں، لیکن جب کبھی کسی وجہ سے مجھے ناغہ کا اندیشہ ہوتا ہے تو تینتیس تینتیس بار ورنہ گیارہ گیارہ مرتبہ، ورنہ تین تین بار ادا کر لیتا ہوں۔

اس وضاحت کے بعد معمولات پر استقامت اور ان کی پابندی اس قدر آسان ہوگئی جو بیان سے باہر ہے، حادثات وسانحات زندگی کا لازمہ ہیں اور معمولات میں اکثر یہی مخل ہوتے ہیں، حضرتؒ کی اس راہنمائی سے ایک بہت ہی آسان راہِ عمل معلوم ہوگئی، اب بھی اگر معمول ترک ہو تو سوائے غفلت وسستی کے اور کیا کہا جاسکتا ہے جو اس راہِ باطن میں سالک کے لئے بڑے راہزن ہیں۔

مستحبات پر عمل

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مستحبات پر عمل کرنے اور ان پر مداومت کرنے کی بھی بطور خاص تلقین فرمایا کرتے تھے، بالخصوص اہلِ علم میں ترکِ مستحبات کا مرض عام پایا جاتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور دوپہر کو آرام کرنے کے لئے حضرت ناظم صاحبؒ کے کمرہ میں آرام فرما ہوئے ناچیز اور چند خدام خدمت کے لئے حاضر تھے۔ حضرتؒ کی عجیب شان تھی افادہ کا اس قدر غلبہ تھا کہ کوئی وقت اس سے خالی نہ جاتا، اس آرام کے وقت میں بھی افادات کا سلسلہ جاری تھا، ناچیز نے عرض بھی کیا حضرت! یہ آپ کے آرام کا وقت ہے کچھ دیر آرام فرمالیجئے، فرمایا! بھئی ہمارا یہی آرام ہے اور پھر مستحبات پر عمل اور ان کی پابندی کی تلقین فرماتے رہے، اسی دوران یہ بھی فرمایا: ایک حدیث پاک کا مضمون ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام دائیں جانب سے کرنے کو پسند فرمایا کرتے تھے، چنانچہ میں

بھی اس کا خیال رکھتا ہوں، حتی کہ نماز کے اندر بھی خیال ہی خیال میں رکوع میں جاتے وقت پہلے دایاں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتا ہوں، پھر بایاں اور رکوع سے اُٹھتے وقت پہلے بایاں ہاتھ اٹھاتا ہوں، پھر دایاں، اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت پہلے دایاں گھٹنا اور ہاتھ زمین پر رکھتا ہوں اور پھر بایاں اور اٹھانے میں پہلے بایاں پھر دایاں یہ سب بلا تکلیف اور بظاہر یکسانیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سنّت پر عمل کرنے کی گہرائی کا اندازہ ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد اذان ہوئی، حضرتؒ نے اذان کا جواب دیا اور اذان کے بعد وضوء کے لئے غسل خانہ تشریف لے گئے اور وضوء کے لئے پٹرے پر بیٹھے، لیکن حضرتؒ کی قبلہ کی طرف سے پشت ہوگئی، کیونکہ غسل خانہ میں پانی جانے کا رخ ایسا ہے کہ اگر اس کے مطابق کوئی بیٹھے تو قبلہ کی طرف بالکل پشت ہو جاتی ہے، مگر حضرتؒ نے پٹرہ کا رخ گھما کر قبلہ رخ کروالیا اور وضو فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ آدمی کو حتی الامکان مستحب پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس وقت آنکھیں کھلیں اور علم ہوا کہ اس طرح بھی مستحب پر عمل ہوسکتا ہے۔

نظامُ الاوقات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نظامُ الاوقات کی سب سے زیادہ تاکید فرمایا کرتے تھے، خود بھی نظامُ الاوقات کے پابند تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، نظامُ الاوقات کی پابندی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل عملی نمونہ تھے، صبح سے شام تک کی تمامتر زندگی ایک مضبوط اور مربوط نظام الاوقات کے تحت گزرتی تھی، مضمون کے طویل ہونے کے اندیشہ سے اس

کی تفصیل چھوڑتا ہوں۔

اس بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سنایا کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تشریف لانا، اور حضرت تھانویؒ کا حضرت شیخ الہندؒ سے اجازت لیکر بیان القرآن لکھنے کا معمول پورا کرنے کے لئے جانے کا واقعہ بھی اکثر سنایا کرتے تھے۔ بہرحال نظامُ الاوقات کی پابندی کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بیحد ضروری ہے، بغیر اس کے دین و دنیا کی کوئی قابلِ قدر ترقی اور فلاح ممکن نہیں۔

تسبیحات پڑھنے کا طریقہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ لوگ تسبیحات تو پڑھتے ہیں، مگر ان کے پڑھنے کا جو طریقہ ہے وہ اکثر کو معلوم نہیں ہے، اسی لئے تسبیحات پڑھنے سے پورا نفع نہیں ہوتا۔

تسبیحات پڑھنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ جب استغفار کی تسبیح پڑھنے لگیں تو پہلے یہ تصور کرلیں کہ یا اللہ! میں آپ کا ایک خطا کار بندہ ہوں، گناہوں کا مرتکب ہوں، طرح طرح کی غفلتوں اور کوتاہیوں کا شکار ہوں، یا اللہ! ان گناہوں اور ان غفلتوں اور کوتاہیوں کو آپ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا آپ سے ان گناہوں کی معافی اور گناہوں کی خباثت و گندگی سے پاک وصاف ہونے کے لئے استغفار کرتا ہوں، اس کے بعد پوری توجہ سے استغفار کی تسبیح پڑھیں۔

جب دورد شریف کی تسبیح پڑھنے لگیں تو پہلے یہ تصور کریں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں، آپ نے ہمارے خاطر کیسی کیسی تکلیفیں

برداشت کیں، آپ ہم پر کتنے شفیق ومہربان تھے، ہمارے لئے کیسی کیسی دعائیں مانگیں، آپ سے محبت کرنا اور آپ کے حقوق اداء کرنا ہم پر واجب ہے، لہٰذا آپ کا حقِّ محبت اداء کرنے اور اپنے قلب میں آپ کی محبت پیدا کرنے کے لئے درود شریف پڑھتا ہوں، اس کے بعد توجہ سے درود شریف پڑھیں۔

جب تیسرے کلمہ کی تسبیح یا سُبْحَانَ اللّٰهِ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

وغیرہ کی تسبیح پڑھیں، تو پہلے یہ تصور کریں کہ حق تعالیٰ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں، بچپن سے لیکر اب تک ہمیں کتنی ان گنت نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ایمان دیا، اسلام کی نعمت دی، اہل حق سے وابستہ فرمایا، اپنا نام جپنے کی توفیق بخشی، ہم پر ان تمام نعمتوں کا شکر اداء کرنا واجب ہے اور صرف اسی سے حقیقی اور کامل محبت رکھنی چاہیۓ، لہٰذا حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہونے کے لئے تسبیح پڑھتا ہوں اس کے بعد توجہ سے تسبیح پڑھیں۔

اس طرح تسبیحات پڑھنے سے بہت جلد نفع ہوتا ہے، ذکر کے انوار و برکات محسوس ہونے لگتے ہیں، اور بہت جلد اصلاح باطن میں نمایاں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔

حُسنِ نیت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح سے شام تک کے تمام جائز اور مباح کاموں اور دیگر فرائض و واجبات حقوق اللہ میں حسن نیت کی تاکید فرمایا کرتے تھے، فرماتے کہ حسنِ نیت ایسی عظیم دولت ہے جس کے صدقہ میں زندگی کے تمام لمحات عبادت وطاعت بن سکتے ہیں۔

فرماتے روزانہ صبح چند منٹ کے لئے بیٹھ جایا کریں اور دن بھر کے تمام بڑے بڑے کام شمار کریں اور ساتھ ساتھ نیت کرتے جائیں، یا اللہ یہ کام آپ کے لئے کرونگا یا اللہ! فلاں کام بھی آپ کی رضا کے واسطے کروں گا، پھر آخر میں دعا کرلیں، یا اللہ! یہ تمام کام محض اپنی رضا کے لئے کرنے کی توفیق دیجئے، میری مدد فرمائیے، اس کے بعد امور دنیا میں قدم رکھئے، اب درمیان میں بار بار نیت کرنے کی ضرورت نہیں، صبح سے شام تک کی ایک بار نیت کافی ہے جس طرح نماز کے شروع میں ایک بار نیت کافی ہے، ہر رکن میں نئی نیت کی ضرورت نہیں، اسی طرح یہاں بھی ہر ہر کام سے پہلے بار بار نیت کرنے کی ضرورت نہیں جب تک آپ ازخود کوئی دوسری نیت نہ کریں گے پہلی نیت جاری رہے گی۔ پھر جب آپ گھر لوٹیں تو سونے سے پہلے چند منٹ کے لئے بیٹھ جائیں اور دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیں کہ کتنے کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے اور کتنے اس کے خلاف کئے، جتنے اللہ تعالیٰ کے لئے کئے، ان پر شکرادا کریں اور جو غلط یا گناہ ہوئے ان پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ حق تعالیٰ سے معافی چاہیں اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق کرنے کا عہد کریں۔

روزانہ اسی طرح کیا کریں، کچھ ہی روز میں زندگی کو حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق گزارنے کا سلیقہ آجائے گا اور حسنِ نیت کی بدولت تمام لمحاتِ زندگی عبادت وطاعت بن جائیں گے۔

شفقت ورحمت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں تو بڑے جامع صفات اور جامعِ کمالات تھے، لیکن

ایک خاص صفت حضرتؒ میں ایسی ممتاز اور نمایاں تھی جو حضرتؒ کے ہر قول و فعل اور نشست و برخواست سے ظاہر تھی اور وہ آپ کی شانِ ''شفقت و رحمت'' تھی، آپ کا ہر اندازِ گفتگو اور اندازِ بیان اسی سے بھرا ہوا تھا، اول سے آخر تک سارا بیان رحمت ہی رحمت ہوتا، ایسا لگتا جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نا امیدی اور مایوسی کا کوئی خانہ ہی نہیں ہے، کوئی کیسا ہی گناہگار، خطا کار اور سیاہ کار ہوتا، اگر ایک بار حضرتؒ کا بیان سن لیتا تو ہمیشہ کے لئے اس کی نا امیدی کا خاتمہ ہو جاتا۔

آپ کی شفقت و رحمت کا یہ بھی ایک انداز تھا کہ آپ روزانہ اپنے احباب و متعلقین کے لئے دعائیں فرمایا کرتے تھے اور فرماتے جب میں دعا شروع کرتا ہوں تو احباب کی صورتیں فلم کی ریل کی طرح سامنے آتی جاتی ہیں اور میں سب کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں اور یہ بھی فرماتے جب تک میں سب کے لئے دعا نہ کرلوں سوتا نہیں ہوں، وفات سے کچھ روز پہلے ارشاد فرمایا: اب میرا یہ حال ہے کہ جب تک تمام اہلِ دارالعلوم کا اور اپنے تمام مریدوں کا خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہوں، ان کے لئے دعا اور ان کی حفاظت کے لئے حصار نہ کرلوں اس وقت تک سوتا نہیں ہوں، اللہ اکبر! کس قدر شفقت تھی اپنے تعلق رکھنے والوں پر،

جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

دعاء

حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دعا کرنے کا بھی ایسا ممتاز اور والہانہ طریقہ عنایت فرمایا تھا جو کم از کم ناچیز نے حضرتؒ کے علاوہ اور کسی میں نہ

پایا، دعا کے دوران حضرت کی شانِ ''عارف باللہ'' بطور خاص ظاہر ہوتی، ایسا معلوم ہوتا جیسے دعا کا ایک ایک جملہ حق تعالیٰ کی طرف سے القاء ہو رہا ہے اور حضرت والاؒ زبانِ مبارک سے ادا فرما رہے ہیں، ہمیں بھی یہی انداز اپنانا چاہیے اسی طرح دعا کی عادت ڈالنی چاہیے، آخر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دعا پر مضمون ختم کرتا ہوں۔

یا اللہ! ہمارے قلوب میں بیداری پیدا فرما دیجئے، ہماری غفلتوں کو دور فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہم پر جو بے حسی طاری ہے اسے دور فرما دیجئے۔

یا اللہ! تمام عالمِ امکان میں جہاں جہاں مسلمانوں پر تباہیاں اور بربادیاں آرہی ہیں، ان پر رحم فرمائیے۔ سب ہمارے شامتِ اعمال کی صورتیں ہیں ان کو اپنی رحمت سے بدل دیجئے۔

یا اللہ! دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے اہلِ اسلام کی حفاظت فرمایئے، کفار ومشرکین یہود ونصاریٰ جو اہلِ اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں، یا اللہ! آپ دشمنانِ اسلام کو سمجھ لیجئے اور ان کے تسلط سے اہلِ اسلام کو بچا لیجئے۔

یا اللہ! ہماری توبہ اور استغفار کو قبول فرما لیجئے اور اپنے قہر کو ہم سے دور کر دیجئے۔

یا اللہ! ہر طرح کے مصائب اور آلام سے، ہر طرح کے حادثات وسانحات سے ہماری، ہمارے اہل وعیال کی، ہمارے دوست واحباب کی، ہمارے اعزہ واقارب کی اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمایئے۔

یا اللہ ! ہمارے وجود کو دنیا و آخرت کے دردناک عذاب سے بچالیجئے ، دردناک آزمائشوں سے بچالیجئے۔

یا اللہ! ہم ضعیف الایمان ہیں، کسی آزمائش کی سہار نہیں رکھتے ہیں، ہم کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیجئے۔

یا اللہ! آپ خالق کائنات ہیں، ہم تمام شرور اور فتن سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں اور ہر طرح دین و دنیا کی خیر آپ سے طلب کرتے ہیں۔

یا اللہ ! ہمارے ایمانی تقاضے بیدار فرمادیجئے ، ہمارے ایمان کو قوی فرمادیجئے، ہم کو سچا مؤمن و مسلمان بنادیجئے۔

یا اللہ! ہم کو، ہمارے اھل وعیال کو، ہمارے دوست واحباب کو، ہمارے عزیز واقرباء کو سب کو عافیت دارین نصیب فرمائیے۔

یا اللہ! جو حاضر ہیں ان کے حق میں بھی اور جو حاضر نہیں ان کے حق میں بھی ہماری دعائیں قبول فرمائیے۔

یا اللہ ! لبنان ،فلسطین ، ہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں کی امداد ونصرت فرمائیے۔

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا
وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا.

اور جہاں جہاں مسلمان مغلوب ہیں، دشمنانِ اسلام پر انہیں غلبہ عطا فرمائیے۔

یا اللہ! رشد و ہدایت کے دروازے ہمارے لئے کھول دیجئے۔

یا اللہ! ہمارے جو لوگ صاحبِ اقتدار ہیں ان کو ہوش عطا فردیئے، اسلام

اور ایمان کی سچی محبت سے ان کے دلوں کو بھر دیجئے۔

یا اللہ! رشد و ہدایت کا فیصلہ اس قوم اور ملک کے حق میں صادر فرما دیجئے۔

یا اللہ! جو آپ کی نافرمانیوں اور گناہوں میں ملوث ہیں، ان کے قلوب کو بدل دیجئے، ان کو ہدایت نصیب فرمائیے۔ ان کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیے۔ ان کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا لیجئے۔

یا اللہ! اس ملک میں دین اور قرآن وسنت کی ہوائیں چلا دے اور فسق و فجور کے طوفان ٹھنڈے فرما دے۔

یا اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرما دے، اسلام اور ایمان کی عظمت ہماری دلوں میں بٹھا دے۔

یا اللہ! ہم میں جو صاحبِ اقتدار ہیں اور جو مصلح بہی خواہانِ قوم و ملت ہیں، جو واعظین اور مبلغین ہیں، ان کے مساعی میں اور ان کے ذرائع و وسائل میں اعانت و نصرت فرما دیجئے۔ آمین یا رب العالمین آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم.

بندہ عبدالرؤف سکھروی

افاداتِ عارفیؒ

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ

تحریر

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی و صدر مدرس جامعہ اشرفیہ سکھر سندھ

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیؒ عارفی صاحب رحمہ اللہ
کے چند اشعار

محبت کی کشش اب راہبر معلوم ہوتی ہے
جدھر جاتا ہوں اُن کی راہگذر معلوم ہوتی ہے

نشاناتِ حریم ناز ہیں ہر ذرّہ سے پیدا
ترے در تک ہر اک شے راہبر معلوم ہوتی ہے

رگ و پے میں ہے ساری لذت دردِ جگر پھر بھی
طبیعت تشنۂ دردِ جگر معلوم ہوتی ہے

جہاں تک بھی نظر جاتی ہے جلوہ گاہِ ہستی میں
محبت ہی محبت جلوہ گر معلوم ہوتی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو اپنے قبض اور تشویشات تحریر کیں تھی تو انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

برصراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

ایک دعا ہے، اس کے بعد

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمتَ عَلَيْهِمْ

فرمادیا کہ جولوگ منعم علیہم ہیں ان کی راہ پر چلو لہٰذا جو ایسا مرشد مل جائے اس کے پیچھے ہو جائے۔یہی صراطِ مستقیم ہے۔

صراط المستقیم کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک جنگل بیابان میں درندے وموذی جانور، گڑھے، خاردار درخت، اندھیرا، بجلی، کڑک، غرض ایک وحشت ناک منظر تصور کرو، لیکن بجلی کوندتی ہے تو ایک سیدھا راستہ نظر آنے ،لگتا ہے اس پر ہم آئے تو معلوم ہوا کہ ہم سے آگے آگے کوئی دوسرا شخص جا رہا ہے۔اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں اس راہ کو دیکھے ہوئے ہوں اور اکثر آیا جایا کرتا ہوں، خوب واقف کار ہوں تو اب اس کے مل

جانے کے بعد دل کا کیا حال ہوگا، کتنا غنیمت ہوگا اس کامل جانا، پھر وہ شخص کہتا ہے کہ میرے پاس ٹارچ اور روشنی بھی ہے، ہر چیز کو دیکھ بھال کرکے چلوں گا یہی حال مرشد کا ہے۔

فرمایا:۔ محبت، تواضع کے ساتھ بے تکلف ہوجانے کا نام ہے۔

فرمایا:۔ کہ ایک حالت وہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ایسا ہو اور ایک وہ حالت ہے کہ ہم نہیں چاہتے لیکن حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کو اس طرح رکھا جائے۔ گویا ایک حالت کو ہم چاہتے ہیں کہ ہٹ جائے اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ حالت رہے تو اب تم ہی بتاؤ اچھی حالت کون سی ہوگی، جسے ہم چاہیں وہ یا جسے خدا چاہے وہ حالت بہتر ہوگی؟ اسی لئے قبض میں وہ مقامات طے ہوجاتے ہیں کہ بسط میں اور اعمال کرنے سے بھی طے نہیں ہوتے۔

فرمایا:۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ وعظ میں کبھی فرماتے کہ یہ بات مجھے اب تک معلوم نہیں تھی، ابھی القاء ہوئی ہے پھر فرماتے ہیں یہ تحدیث بالنعمۃ کی وجہ سے کہتا ہوں اس کے بعد وعظ سے ٹھہر کر استغفار فرماتے کہ یہ مقام نازک ہے، میں تحدیث بالنعمۃ سمجھ رہا ہوں اور ہوسکتا ہے عجب ہوگیا ہو۔ اپنے نفس کی بہت دیکھ بھال رکھتے تھے۔ کبھی فرماتے یہ سب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صدقہ ہے۔

فرمایا:۔ کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ بیان القرآن کی قدر اس کو ہوگی جو عربی کی تفسیریں دیکھے، اس کے بعد اس کا مطالعہ کرے، میں نے بڑے بڑے اختلافی مسائل کو دو لفظ بڑھا کر حل کردیا ہے۔

فرمایا:۔ کہ بوادر النوادر یہ حضرت والا علیہ الرحمۃ کی آخری تصنیف ہے۔ خود حضرت والا نے چیدہ چیدہ مضامین اس میں لکھوائے ہیں۔

فرمایا:۔ ایک مرتبہ حضرت منصور حلاجؒ کے متعلق کوئی کتاب تحریر فرمائی تھی تو سرورق پر کوئی شعر لکھنے کے لئے تلاش تھی، خدام نے سوچ کر ایک شعر پیش کیا کہ یہ شعر بہت اچھا ہے جس کا پہلا مصرعہ مجھے یاد ہے۔

ناحق منصور کو سرِ دار کرتے ہیں۔

دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ تھا کہ اصل ساز تو وہی ہیں، اس شعر کو سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ شعر اچھا نہیں ہے۔ غلط شعر ہے، سب حیران۔ فرمایا: اس میں شریعت کی توہین ہوتی ہے، ایک مسئلہ بھی شرع کا ناحق نہیں ہے۔ شریعت کوئی کام ناحق کرنے کا حکم نہیں دیتی۔

حضرت والا شریعت کو تصوف پر مقدم فرماتے تھے۔ ایک شخص نے ایک عریضہ لکھا، اس میں کچھ اپنے حالات باطنی لکھے، اور کچھ مسائل دریافت کئے تو جواب تحریر فرمایا کہ ایک ہی خط میں مسائل شرعیہ اور اصلاح باطنی کی باتیں ذکر نہیں کرنی چاہئیں، یعنی تحریر میں پہلے ''مسائلِ شرعیہ'' لکھا، اتنا اہتمام تھا۔

اس طرح کتابیں رکھنے میں فرق فرماتے تھے، پہلے عربی پھر فارسی پھر اردو کی رکھا کرتے تھے، اندر جب کسی سے قرآن شریف رکھنے کو فرماتے تو ضرور یہ فرما دیا کرتے کہ دیکھنا وہ کھونٹی پر کپڑوں کی گٹھری لٹک رہی ہوگی، قرآن شریف کو رکھنے سے پہلے اس کو نیچے اتار کر رکھ دینا، پھر تپائی پر قرآن شریف رکھنا۔

حضرت والا اپنے معمولات کے بہت پابند تھے، اسی لئے تو دس دس پارے

روزانہ پڑھتے تھے۔ اتنا اہتمام تھا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ تھانہ بھون تشریف لائے تو جس وقت ''بیان القرآن'' لکھنے کا معمول تھا، عرض کیا کہ دس منٹ کی اجازت ہو تو میں چلا جاؤں، انہوں نے فرمایا، اجازت ہے، چنانچہ ''بیان القرآن'' کوئی پانچ منٹ لکھ کر پھر واپس چلے گئے، کیونکہ ناغہ ہونے میں برکت جاتی رہتی ہے، چاہے پانچ ہی منٹ کیا مگر اس کو لکھنا ضرور ہے۔

فرمایا: کبھی کبھی آپ آنکھ بند کر کے لیٹ جاتے تھے، خدام سمجھتے شاید تھک گئے ہیں یا غنودگی ہے لیکن حقیقت میں آپ اس وقت بھی سوچا کرتے تھے، جب کوئی بات یاد آتی فوراً فرماتے کہ اس آیت کے متعلق یہ بات ذہن میں آئی ہے، وہ لکھ لیں۔

فرمایا: مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ بھی اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے۔ اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جاتا تو سوتے وقت جب تک ان کو پورا نہ فرما لیتے تھے، سوتے نہیں تھے۔

فرمایا: جب خلوص کے ساتھ کوئی جذبہ پیدا ہو تو اس کو اول وقت ہی میں پورا کر لینا چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست وہ جذبہ پیدا فرماتے ہیں اور وہی دل میں ڈالدیتے ہیں، ایسا ارادہ دفعۃً وارد ہوتا ہے، اگر اس کو نہ کیا تو وہ جاتا رہے گا، جذبہ مخلوص کی قدر کرنی چاہئے، وارد کی پہچان یہ ہے کہ وہ مکرر ہوتا ہے، بار بار دل تقاضہ کرتا ہے کہ نیک کام میں دیر نہ کرے اور جس کے ساتھ کوئی سلوک کرنا ہو تو اس سے عوض اور بدلے کا بالکل خواہاں نہ ہو، نہ امید رکھے، نہ چاہے بلکہ یہ خیال کرے کہ جس نے یہ تقاضائے محبت پیدا کیا ہے عوض اس سے ہی لیں

گے، دینی محبت کا صلہ یہی ہے۔ ''اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰہِ''

فرمایا: متقی وہ شخص ہے جو نیکی کر کے اللہ تعالیٰ ہی سے عوض کا طالب ہو، مخلوق سے بدلہ طلب نہ کرے، نیکی کا تعلق مخلوق سے ہے ہی نہیں اور نہ کوئی مخلوق اس کا عوض دے سکتی ہے، مخلوق سے توقع خام توقع ہے، تم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے اور احسان جتلانا تو بہت ہی بُری بات ہے، جذبۂ محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کا شکر کرے اور مخلوقات سے اجر کو اٹھا کر رکھدے۔

خدمت کر کے انسان کو خوشی ہوتی ہے، عوض چاہنے سے یا ارادہ کرنے سے اس کی مسرت ختم ہو جاتی ہے، بزرگوں کی محبت میں یہی خالق و مخلوق کا پردہ اٹھ جاتا ہے، اس لئے ان سے محبت کرنے میں مزا آتا ہے، یہ مذاق رکھے:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اور مخلوق تو کبھی راضی نہ ہوگی، راضی اسی کو کرے جو علیم و خبیر ہے۔

فرمایا: دین کے پانچ اجزاء ہیں۔ اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل میں دو اجزاء ہیں معاملات و معاشرت، مخلوق سے معاملہ درست ہونا چاہیے۔ احسان کا درجہ جیسے عبادت میں مطلوب ہے اسی طرح معاملات میں معاشرت میں بھی مطلوب ہے، جتنی عقائد کی درستگی ہوگی اتنی ہی عبادات، معاملات، اور معاشرت درست ہوں گے، اخلاق کا تعلق بھی مخلوق سے ہے، اخلاق مخلوق کے ساتھ ہی ظاہر ہوتے ہیں، اگر معاملات و معاشرت صحیح ہوں تو عقائد و اخلاق سب درست ہو جاتے ہیں، اور سب کا خلاصہ

یہ ہے آدمی اس طرح رہے کہ اپنے آپ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، حدیث شریف میں ہے:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده. (مشکوة)

ترجمہ

''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ وزبان سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے۔''

فرمایا: جنت میں رہنا لامتناہی ہے کیوں کہ جنت کے دخول کا سبب ایمان ہے اور منفعتِ ایمان لامتناہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بھی لامتناہی ہیں، اور لامتناہی صفات پر ایمان لانا بھی لامتناہی ہے اور لامتناہی ایام تک ایمان رکھنے کا ارادہ ہے اس لئے جنت کا دخول بھی لامتناہی ہوگا۔ باقی اعمال تو فانی ہیں اور متناہی ہیں، اس لئے اعمال پر دخول جنت موقوف نہیں ہے، ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اعمال کا تعلق ہمارے ساتھ ہے، باقی رہے معاصی تو وہ ایک ہی استغفار میں ختم ہو جاتے ہیں، لہٰذا ایک مرتبہ آدمی تسلی سے بیٹھ جائے اور بالغ ہونے کے بعد سے جو جو گناہ کئے ہیں جو یاد آجائے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا جائے پھر یہ کہے کہ جو مجھ کو یاد ہے اور جو مجھ کو یاد نہیں ہے سب آپ معاف فرمادیجئے اور اتنی مرتبہ استغفار کرے کہ تھک جائے، بس یہ یقین کرے کہ اب میں عاجز ہوگیا ہوں، ربِّ قدّوس نے بخش دیا ہے، اس کے بعد ان معاصیٔ ماضیہ کو کبھی یاد نہ کرے، شیطان صفاتِ خداوندی سے ہٹا کر معاصی کے خیال در خیال کے گرداب میں لگا دیتا ہے، بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے رازق، رحیم، کریم، غفار ہونے کی طرف دھیان کرے، وہ گناہوں کے خیال میں

منہمک کر دیتا ہے۔ دعا میں دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا چاہے اور ہو جاتا ہے غیر اللہ یعنی معاصی کی طرف، صرف اجمالی طور سے استغفار کر کے امید رکھے اور پوری امید رکھے کہ اس نے بخش دیا ہے اس کی نعمتوں کا شکر کرتا رہے، شکر واستغفار دونوں متناہی ہیں۔ اعمال وعبادات کی کوتاہی اور اس کے شکر میں کوتاہی اور پوری ادا نہ کرنے پر استغفار کرتا رہے۔

فرمایا:۔ دو چیزیں بڑی ضروری ہیں کثرتِ ذکر وصحبت اہل اللہ۔

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ.

یعنی جن میں صفتِ صدق پیدا ہوگئی ہے، ان کے ساتھ ہو جاؤ، صدق، اخلاص سے اوپر ہے، معلوم ہوا کہ خلوص بھی کافی نہیں بلکہ صدق بھی ہونا چاہئے، بدعتی مخلص ہوتا ہے مگر اسے صدق حاصل نہیں ہوتا، درود شریف کا لحاظ رکھنا بھی صدق ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''میری تعلیم کی تم نے قدر نہ کی''، حالانکہ انہوں نے سب کر کے دکھلا دیا، حضرت کی تربیت وتعلیم الہامی ہے، تم اس کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

۸۲ سال تک مسلسل دین کی خدمت کی ہے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ان کو کیا معلوم ہے کہ ان کو کتنا کام کرنا ہے، ان کی طرح ملفوظات کسی کے لکھے گئے ہیں، طبیعت میں اتنی پختگی تھی کہ جو رنگ اول میں تھا وہی اخیر تک رہا، حضرت رحمۃ اللہ کو بہت احساس تھا کہ دین کسی طرح لوگوں کے سینے میں ڈال دوں، لیکن لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔

حضرت سید سلیمان ندویؒ ایک مرتبہ رات کو آئے، حضرت کو معلوم ہو گیا تو رات ہی کو بلایا اور فرمایا کہ میری تصنیفات میں سے اقتباسات شائع کرنا، صبح

ملاقات ہوئی تو پھر یہی ارشاد فرمایا: اس مذاق کو لوگوں نے سمجھا نہیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی معمول کر لیا تھا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھا کرتے اور سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے کانپور میں وعظ فرمایا، تو فرمایا کہ میں تو حضرتؒ کی سنی سنائی باتیں عرض کروں گا، علماء کی بد مذاقی دیکھئے کہ حضرتؒ سے تعلق ہوتے ہوئے دوسرے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر مفتی صاحبؒ نے اپنا یہی رنگ قائم کیا تھا، ان کو مذاق تامہ حاصل تھا، اصلاح کے آسان نسخے سے شروع کیا، لیکن مشاغل کی کثرت کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے، آپ حضرات اپنی طرف سے اس میں کوئی الفاظ نہ بڑھائیں، ان ہی کے الفاظ تک محدود رکھیں، اپنے ملفوظات و تصنیفات خود حضرتؒ بھی سنتے تھے، ''تربیت السالکین'' پڑھا کریں، بڑے کام کی کتاب ہے، لیکن عوام نہ پڑھیں دعا کریں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی توفیق بخشیں۔

فرمایا:۔ صاحب حال کو جو شیخ جواب دیتا ہے وہ منجانب اللہ ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ کہ سلسلے کے بزرگوں کے شجرے میں نام لینے اور ان کو ایصال ثواب کرنے سے روحانی فیض ہوتا ہے، اور یہ بیعت کا سلسلہ بھی دست بدست اوپر تک پہنچتا ہے، حتیٰ کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ . . .

(الفتح: ۱۰)

ترجمہ

''جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے''۔

بیعت ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ میں اس پر قائم رہوں گا اور اس سلسلے کے مسلک پر چلوں گا، بیعت کے بعد پھر اسی مسلک پر چلنا چاہیے، دوسرے مسلک پر نہ چلنا چاہیے، اگر چہ سب حق ہیں مگر جس پر چلنے کا وعدہ کیا ہے اس پر بیعت کی ہے اس کو کبھی نہ چھوڑنا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک تو اتنا مضبوط ہے اور مستند ہے کہ اس کو چھوڑ کر کہاں جائیں، اگر کوئی جائے تو جائے۔ اس خود بینی وخود رائی کا ہم کیا کریں، ایک مسلک کو اختیار کر کے اپنی رائے سے چلنا یہ کوئی چیز نہیں، بے ڈھنگا پن ہے، ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے ''ہمارے حضرتؒ کیا عجیب تھے'' اگر اب بھی حضرتؒ کو سمجھنا ہے تو ان کی تعلیم وتربیت سے ان کو سمجھیں، جب ان کی تعلیم وتربیت میں یہ کیفیت ہے تو اندازہ کرو کہ ان کی مجلس ووعظ میں کیا اثر ہوگا۔

ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں، مجھ پر بہت اثر ہوا اس لئے میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، جواب لکھا: ''یہاں سامنے آجاؤ، ہم آپ کو دیکھیں، آپ ہم کو دیکھیں، مناسبت کے بعد ہی بیعت ہوسکتی ہے''۔

فرمایا:۔ اگر سامنے جا کر دیکھو تو بالکل حضور اکرم ﷺ کی سنّت کا نمونہ تھے، اور جو کتابوں میں لکھ دیا ہے، وہ عمل کر کے دکھایا ہے۔

فرمایا:۔ ہر دعا میں یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے استقامت فی الدین واہتمام دین اور مقبول عمل کی توفیق مل جائے۔

فرمایا:۔ ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا کہ ابھی خط وکتابت کرتے رہو، کچھ دن کے بعد ان صاحب کا دیہات میں جانا ہوا تو وہاں سے خط لکھا کہ حضرت! یہاں باغ وبہار اور سبزہ بہت ہے اس پر جواب دیا کہ:

’’آپ کو مجھ سے مناسبت نہیں ہے، اس لئے بیعت نہیں کروں گا‘‘۔

فرمایا:۔ شیخ کا مذاق دیر سے معلوم ہوتا ہے، اور دیر سے سمجھ میں آتا ہے، لیکن شیخ کے رنگ میں رنگ جانا چاہیے۔

فرمایا:۔ ہمارے حضرت کا مذاق یہ تھا کہ ہمہ وقت اپنے نفس کا جائزہ اور محاسبہ فرماتے رہتے تھے، کبھی عمر بھر اس سے غافل نہیں رہے کہ کہیں میرا کردار اور میری گفتار سنّت کے رنگ سے جدا تو نہیں ہے۔ تحدیث بالنّعمۃ کے طور پر کسی انعامِ الٰہی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ خدا کا یہ فضل ہوا، مگر اس میں کبر و ناز کا شائبہ نہیں کہ ہم اتنے بڑے آدمی ہیں، ہم کو یہ بات حاصل ہے اور ذرا سی کھٹک ہوتی، فوراً استغفار کرتے۔

فرمایا:۔ ایک شخص حضرت والا کے وعظ میں شامل ہوا تو وعظ سننے کے بعد فرمایا کہ ایسا واعظ ہم نے کبھی نہیں دیکھا، جس کے ہر لفظ میں اثر ہو۔

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے اثنائے وعظ میں فرمایا کہ میرا لہجہ کبھی وعظ میں تیز ہو جاتا ہے، سو یہ میرے مزاج کی حدت کی وجہ سے ہے، ورنہ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا ہوں، وہ سب اپنے نفس ہی کو کہتا ہوں، اپنے ہی نفس کو خطاب کرتا ہوں، اپنے نفس کا علاج کرتا ہوں، لہٰذا سامعین بطیبِ خاطر رہیں، میں آپ کو مخاطب نہیں کرتا، اسی لئے مخاطبین کم یا زیادہ آئیں یا نہ آئیں، مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کیوں کہ میں اپنے آپ ہی کو مخاطب بنا کر کہتا ہوں۔

فرمایا:۔ تھانہ بھون میں حضرتؒ نے کسی کو دیکھا کہ لوکی پکا کر کھا رہا ہے، اس سے پہلے دھیان نہ تھا، دیکھتے ہی سنّت کا خیال آ گیا اور ملازم سے کہا کہ: ’’آج کے بعد سے جب تک بازار میں لوکی رہے، ضرور لے آیا کرو‘‘ یہ تھا سنّت کا

جذبہ۔

ایک مرتبہ عہد کیا کہ میں نفس کے ایک ایک لمحہ کا جائزہ لیا کروں گا کہ کتنی باتیں کب کب کی ہیں اور پھر تین دن اسی میں لگے رہے، یہ سب کچھ ہمارے لئے بھی کیا کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے۔

لہٰذا خوب معلوم کرو کہ حضور اکرم ﷺ کس طرح چلتے تھے، بیٹھتے تھے، سوتے تھے، شمائل ترمذی کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے، وہ منگا لو اور پڑھو، تمام سنتیں معلوم ہوں گی پھر اسی طرح ان پر عمل کرو، "نشر الطیب" میں ایک باب ہے، اس کو دیکھو، اس میں درود شریف کے صیغے لکھے ہیں وہ بھی پڑھو، آخر یہ سب باتیں کب کروگے؟ یہ تو کرنے ہی کی ہیں، تین دن تک خوب مطالعہ کرو پھر اپنا معمول بنالو۔

پھر تین دن کے بعد "حیاۃ المسلمین" کی روحِ نہم پڑھو، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہر جمعہ کو اس کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

فرمایا:۔ شیخ ایسا ہونا چاہئے جو متبع شریعت وسنّت ہو جس کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو، دنیا سے نفرت ہو جائے، ایسا اگر شیخ مل جائے تو غنیمت جانو، اگر ایسا شیخ نہ ملے تو میری تعلیم وتربیت کو غور سے پڑھا کرو، یہ بھی کافی ہے۔

فرمایا:۔ اپنا جائزہ لیتے رہا کرو، ہماری عبادت کیسی ہے؟ ہمارا معاملہ کیسا ہے؟ ہمارا اخلاق کیسا ہے؟ فرمایا: اخلاق کا جائزہ لینا ہو تو کراچی کی بس میں سوار ہو جاؤ، سب معلوم ہو جائے گا۔

فرمایا: اپنی تمام زندگی اتباعِ سنّت میں ڈھالو، اپنا اخلاق معلوم کرنا ہو تو اپنی بیوی اور پڑوسی سے پوچھو، دوست کیا جانیں اخلاق کو۔

فرمایا:۔ دوسرے سے خدمت لینا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ناگوار تھا، فرماتے کہ میں خادم ہوں، مخدوم نہیں ہوں، ملازم کو حقیر مت سمجھو، وہ تمہارے معاوضے میں کام کرتا ہے، تنخواہ دینا تمہارا احسان نہیں ہے، یہ اپنے کام کے پیسے لیتا ہے۔

فرمایا:۔ چند باتیں تصوف کی مل گئیں ہیں اور درویش بن گئے، اس طرح درویش نہیں بنتے، اگر ہلدی کی گانٹھ مل گئی تو بنئے ہی بن بیٹھے۔

فراغ دل زمانے

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، کوئی بات ذہن میں آئی، فوراً اس کو نوٹ کرلیا اور فرمایا کہ دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال لیا ہے، دل کو فارغ رکھنا بھی بڑا ضروری ہے ورنہ اعمال میں یکسوئی نہیں ہوتی، تب بھی کام اطمینان سے نہیں ہوتا، یہ فراغ قلب ہی کی بات تھی کہ دن بھر چلتے پھرتے دس پارے روزانہ پڑھ لیا کرتے تھے، لہٰذا اگر ہم تواضع وغریب پروری حقوق کی ادائیگی نہ کریں گے تو کاہے کی مناسبت ہے، حضرت والا کی تواضع کا یہ حال تھا کہ کوئی بات ہوتی فوراً اپنے شیخ کی طرف منسوب فرمادیتے، بات اپنی ہوتی اور منسوب کردیتے بڑے میاں کی طرف، اور حال یہ کہ جس کسی کو جس کام میں لگادیا وہ اس میں کامیاب ہوگیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر طالب کی حیثیت کے مطابق اس سے کام لیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک ننھے میاں تھے انہوں نے خط لکھا کہ مجھ سے تعلیم و تربیت و معمولات پورے نہیں ہوتے، کیا کروں؟ جواب لکھا کہ کس جھگڑے میں پڑے، تم کو مجھ سے محبت ہے، مجھ کو تم سے محبت ہے، یہی کافی ہے، شکستگی ہی کافی ہے کہ میں عاجز ہوں، کرتا ہوں، مگر معمول پورا نہیں ہوتا۔

فرمایا:۔امر بالمعروف کا مطلب یہ ہے کہ خیر خواہی کے ساتھ کسی کو بات کہنا، ورنہ اگر خیر خواہی نہ ہو تو کبر ہے اور بعض مرتبہ کبر ''اللہ اللہ'' کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا ایک شخص کو حضرت والاؒ نے یہی لکھا: تم اپنا ذکر بند کرو، مسجد میں جھاڑو دو، صفیں بچھادو، نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرو۔

فرمایا:۔(۱) جتنی عبادات پر نظر کریں گے اتنی ہی خامی پیدا ہوگی۔(۲) معصیت کی تاویل کرنا یہی معصیت ہے۔(۳) جس نے اپنے آپ کو لغویت سے بچالیا اس نے بڑا کام کیا۔(۴) غفلت صرف وہی بری ہے جو معصیت کی محرک ہے۔اور لغویت اس کام کو کہتے ہیں جس سے نہ دنیا کا نفع ہو، نہ دین کا نفع ہو۔

فرمایا:۔ہر عمل کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور جب وہ خاصیت آدمی میں رونما ہوتی ہے تو عجب و ناز پیدا ہوتا ہے، اس لئے اجازت لی جاتی ہے، تاکہ ناز نہ ہو کہ یوں سمجھے گا کہ فلاں شخص کی اجازت سے یہ کام کیا تھا، یہ ان کی برکت ہے، ان کی دعا کا اثر ہے، میں تو ان کا ایک خادم ہوں۔

فرمایا:۔(۵) یاس اور ناز دونوں سبب ہلاکت ہیں، ان دونوں سے حفاظت کے لئے شیخ کا ہونا ہے۔(۶) خاتمہ بالخیر بڑی نعمت ہے، اس کے لئے بھی شیخ کا ہونا بڑا ضروری ہے، اس لئے کہ خاتمہ کے وقت جو جو وساوس شیطان ڈالے گا وہ سب وساوس و خطرات کا علاج شیخ سے کرا چکا ہوگا، اگر ہزار شیطان کہے گا تو خود شیخ کی بات یاد آجائیگی۔(۷) ساری شریعت کا خلاصہ حقوق و حدود ہیں، آدمی یہ جان لے کہ شرعی حدود اور حقوق کیا کیا ہیں۔

فرمایا:۔ہم لوگ بھی نوافل پرست ہیں، نوافل ادا کرنے سے بزرگی ذہن

میں بستی ہے، فرائض میں تقدس کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔

فرمایا:۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی سے دین کا تخاطب ہوجائے تو غنیمت ہے، سارے زمانے کے ہم مکلّف نہیں، کائناتِ عالم کا کہاں حق ادا ہوسکتا ہے؟ اس کے لئے صرف استغفار ہے، ہر کوتاہی کا علاج استغفار ہے۔

فرمایا:۔ عبادت کا اظہار شکرِ نعمت سے ہوتا ہے اور شکر نعمت واجب ہے اور ناگوار حالت میں صبر واجب ہے، یہ دونوں مقامِ قرب ہیں۔

مقام کی تعریف فرمائی کہ کسی عمل کی عادت ہوجانے کا نام ہے، مثلاً شکر کا اہتمام کیا، کرتے کرتے عادت ہوگئی تو مقام شکر حاصل ہوگیا۔

فرمایا:۔ دعا کرنے کا حکم ہے، اس لئے دعا کرتے ہیں، آپ نے انجام پر کیوں نگاہ کی تھی کہ آئندہ یہ کام بھی ہوجائے، آپ نے تعمیل کرلی، دعا مانگ لی اور اس سے ان کی رضا وابستہ ہوگئی، اللہ تعالیٰ کا کہنا مان لیا، وہ راضی ہوگئے، بس اب دعا کرنے پر شکر کرو اور اسی تعمیل کرلینے سے وہ راضی ہوتے ہیں، دعا کرنے میں خدا کی رضا مل گئی اور کیا چاہتے ہو؟ یہ کیا کم ہے کہ اس کی رضا مل گئی؟ یہی زندگی کا ماحصل ہے اور اگر جو دعا کی تھی وہ نہ ملی تو صبر کرو، یہ سمجھو کہ وہ نہ دینے پر راضی ہیں، اگر دینے پر راضی ہوتے تو دیدیتے، وہ نہ دینے میں راضی ہیں، تو صبر کرو، اس طرح بھی اس کی رضا مل گئی، تو صبر وشکر دونوں سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے، جو نہ ملنے پر بھی قرب دیدیتے ہیں، تو اگر کوئی ہزار عمدہ چیز مانگی ہو مگر قربِ خداوندی سے تو بہتر نہیں ہوسکتی، تو انجام کو کیوں دیکھتے ہو؟ قرب مل رہا ہے، یہ دونوں طرح

حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا:۔غفلت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی اپنے خالق کو بھول جائے اور اپنی ہلاکت کا عمل کرے۔

فرمایا:۔صبر وشکر اور استغفار سب سے زیادہ قرب کا ذریعہ ہیں۔

فرمایا:۔توبہ واستغفار کر لینے کے بعد کبھی بھی ناامید نہ ہونا، ہرگز نہیں جب وہ خود حکم دیدیتے ہیں کہ توبہ کرو، استغفار کرو، تو ضرور معاف فرمائیں گے۔

فرمایا:۔ کہ ایک مرتبہ توبہ استغفار کر لینے کے بعد پھر ان ہی گناہوں کا استحضار کرنا اور بار بار یاد کرنا خود بینی ہے۔

ایک مرتبہ خوب جی بھر کر توبہ کرلو، اتنا کرو، اتنا کرو کہ تھک جاؤ اور یہ کہو کہ ہم تو اب تھک گئے، عاجز ہیں، بس عاجزی آگئی قوی امید کرو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، اس کے بعد پھر ان ہی گناہوں کو یاد کرنا بڑی ناقدری ہے، استغفار کرنے کے لئے اس نے توفیق دی، زبان دی، دل میں ڈالا، کہلوایا بھی انہوں نے، تو معاف کر دیا کیوں نہ فرماویں گے، پھر یہ سمجھنا کہ معاف نہیں کیا، یہ نعمتِ استغفار کی ناقدری ہے، ناشکری ہے، آپ نے گویا اس کو غفور الرحیم نہ سمجھا۔

حضرت نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تو ایسا ہے کہ ہم کسی حاکم کو درخواست دیں اور اس میں یہ لکھیں کہ مجھ کو فلاں ضرورت ہے لیکن آپ سے امید نہیں کہ یہ کام آپ کر بھی دیں گے، یہ کوئی درخواست ہے، اسی طرح یہ بھی کہ امید تو ہے نہیں کہ آپ معاف کر دیں گے، لیکن خیر معافی مانگ لیتے ہیں، یہ بھی کوئی استغفار ہے؟ اجی یوں سمجھو کہ وہ ضرور معاف کر دیں گے، ضرور معاف

کردیں گے اور اگر وہی گناہ معاف نہ کریں گے تو اور کون معاف کرے گا؟ آپ ہی بتایئے وہ غفور الرحیم کاہے کے ہیں؟ انہوں نے گناہ کو اسی لئے تو پیدا کیا ہے، اور وہ ہمارے لئے ہی پیدا کیا ہے، لہٰذا گناہ ہم سے ہوگا، گناہ بھی تو اس کی مخلوق ہے، وہ بے چارا کہاں جائے گا؟ اس کا بھی تو وہی خالق ہے، لہٰذا ہم سے گناہ بھی ہوگا اور وہ بخش دیں گے بھی ضرور۔ اجی جب ہمارے ابا نے کبھی نہیں مارا تو وہ کیوں ماریں گے۔

فرمایا:۔ گناہ تو محدود ہیں اور رحمتِ خداوندی غیر محدود ہے تو محدود کا تو اتنا خیال کیا اور لامحدود رحمت پر نظر نہ کی، ''رحمتی وسعت کل شئ''۔

لہٰذا ماضی کے گناہوں کو جو لامحالہ محدود ہیں، ان کے لئے ایک استغفار کافی ہے، مستقبل میں کوئی گناہ نہیں، وہاں صرف رحمتِ خداوندی، اس کے احسانات ہی احسانات ہیں، ان پر نظر کرو اور مستقبل بھی لامحدود ہے، دخول جنت بھی مستقبل میں ہے، لہٰذا مستقبل کو سوچو اور شکر کرتے رہو، جو گناہ صادر ہو جائیں استغفار کیا، وہ ماضی ہوا، ہر وقت گناہ ہو تو ہر وقت استغفار ہو اور ماضی میں داخل کرے، مستقبل میں رحمتِ خداوندی کے معنیٰ کا استحضار رکھو، دل میں اس کے احسانات اور دعا و شکر کرتے رہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمّد و آلہٖ و اصحابہٖ

وبارک وسلم.

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

مجالس اور ان کے ملفوظات

تحریر

حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی و صدر مدرس جامعہ اشرفیہ سکھر سندھ

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرستِ عنوانات

مجلس مبارک بر کوٹھی لسبیلہ چوک

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

صدقہ کا مفہوم عام ہے

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَ مَا أَطْعَمْتَ خَادِمَکَ فَهُوَ صَدَقَةٌ

صدقہ ایسے خرچ کرنے کو کہتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، مالی ہو، قولی ہو یا کوئی کام ہو، مقصود اس سے اللہ کی رضا ہو، خواہ کسی مسلمان بھائی سے خوش ہو کر ملو، اپنے ڈول سے کسی دوسرے مسلمان کے ڈول میں پانی ڈال دو، کسی مسلمان کو سلام کرنا بھی صدقہ ہے، صدقہ کا مفہوم عام ہے، صرف مال کے ساتھ خاص نہیں ہے، نہ کسی آدمی کے ساتھ مخصوص ہے، اپنے آپ کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے، بیوی بچوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے، اگر کوئی شخص ہوتے ہوئے پھر کھانا نہ کھائے اور بھوکا مر جائے تو عاصی ہوگا۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح ''نفس کشی'' کا مطلب

صوفیائے کرام کے ہاں جو لفظ نفس کشی بولا جاتا ہے وہ ان کی ایک خاص

اصطلاح ہے، ورنہ ظاہری معنٰی کیسے مراد لئے جاسکتے ہیں؟ جبکہ حدیث شریف میں مصرّح ہے "وَ إِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا" صوفیائے کرام کے نزدیک نفس کشی کا مطلب نفس کی ناجائز خواہشات کو مارنے کا نام ہے، اور یہی طریقِ سلوک کا حاصل ہے کہ فنا حاصل ہوجائے۔

اپنے نفس کا بھی حق ہے

یہ وجودِ انسانی ایک سرکاری مشین ہے جو استعمال کیلئے دیدی ہے، اس مشین میں تیل ڈالنا پڑیگا، اس کا تیل یہی خوراک کھانا ہے، یہ ہمارے پاس ایک امانت ہے، اس کی حفاظت کرنا واجب ہے، اگر اس میں تیل نہ ڈالا تو ایسا ہوگا کہ ملازم سرکاری مشین کو تیل نہ دے اور مشین گھس کر پٹک دے، یہ مشین خدا کی بنائی ہوئی ہے، ہماری مِلک نہیں ہے، لہٰذا اس پر مالک کا حکم ضرور چلنا چاہئے۔

نیت شرط ہے

مگر شرط یہ ہے کہ نیت خالص ہو کہ اس کھانے سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے تو یہ کھانا کھانا بھی صدقہ ہوجائے گا، اور جب خود کھانا بھی صدقہ ہے تو بیوی بچوں کو کھلانا بھی باعثِ اجر و صدقہ ہوگا، نابالغ اولاد کو کھلانا تو والد کے ذمہ واجب ہے، ایسے ہی غیر ناشزۃ (غیر نافرمان) بیوی کو کھلانا واجب ہے، اسی طرح خادم اور نوکر کو کھلانا بھی صدقہ ہے، حالانکہ یہ کام بظاہر دنیوی کام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی صدقہ بنادیا، بشرطیکہ اطاعتِ حق کا ارادہ کرے۔

حضرت والا کا ارشاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ جتنے بھی دن بھر کے کام

ہیں، اگران میں نیت سیدھی ہو جائے تو سب کے سب عبادت ہو جائیں۔

دنیا کے اکثر پیشے عبادت الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں، مثلاً کپڑا بُننا ہے تو یہ نیت کرے کہ نماز بغیر کپڑوں کے پہنے نہیں ہوسکتی، ہم نماز اور ستر پوشی اور تَجَمُّلُ فِی النَّاسِ کے قصد سے بناتے اور خریدتے ہیں، برتن کھانا کھانے اور کھلانے کے کام کیلئے بناتے اور خریدتے ہیں، کھانا کھانا وکھلانا بھی خدا کی عبادت ہے، علٰی ھٰذا القیاس، ہاں اگر صرف پیٹ بھرنا ہی مقصود ہو جائے تو پھر وہ عبادت نہیں۔

دوسری حدیث

صدقہ دینے کا یہ اُصول ہو کہ اتنا صدقہ دے کہ صدقہ کردینے کے بعد بھی غنا باقی رہے، یعنی مالداری باقی رہے، تم خود فقیر نہ بن جاؤ، سارا مال لُٹانے والے مجذوب ہوتے ہیں، ثواب کی بات ضرور ہے، مگر طریقہ کار اچھا نہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا واقعہ

لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو! حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت کو ترک کردیا، مال ودولت لُٹادی، تین چیزیں لیکر جنگل کو چل دئے، تکیہ، ڈول رسی، اور پانی پینے کا ایک پیالہ، راستے میں دیکھا کہ ایک شخص سر کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے سو رہا ہے، تو کہا کہ یہ تکیہ فضول ہے، آدمی ہاتھ کا تکیہ بھی لگا سکتا ہے، لہٰذا تکیہ پھینک دیا، آگے چلے، کسی کو دیکھا کہ ہاتھوں کا چلّو بنا کر پانی پی رہا ہے تو کہنے لگے کہ جب ہاتھوں سے پانی پیا جاسکتا ہے تو یہ پیالہ بھی فضول ہے، آگے چلے، جب پیاس لگی، ایک کنوئیں کی طرف چلے، وہاں دیکھا کہ بہت سی ہرنیں کنوئیں پر آئیں،

انہوں نے دیکھا کہ پانی کنوئیں سے بہت نیچے ہے، یہ دیکھ کر انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی، اللہ تعالیٰ کی طرف نظر کی، رحمتِ خداوندی سے پانی میں جوش اُٹھا اور کنوئیں کا پانی منڈیر تک آ گیا، ہرنوں نے پانی پیا اور چلے گئے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو خود بھی پہنچے کہ لاؤ پانی پی لوں، جب یہ کنوئیں پر پہنچے تو پانی پھر تہ میں اُتر گیا، خیال ہوا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: یا اللہ! ابراہیم کی اتنی بھی قیمت نہیں جو اِن ہرنوں کی ہے، ندا آئی: اے ابراہیم: اس واقعہ سے قیمت کا اندازہ نہ لگاؤ، ہمارا معاملہ ہر ایک کیساتھ الگ الگ ہے، ان ہرنوں کے پاس نہ ڈول تھا، نہ رسّی، نہ ان کی قدرت تھی، انہوں نے ہم پر نظر کی، ہم نے ان کو اسی طرح پانی پلاتے ہیں، تمہارے پاس ڈول رسی ہے، طاقت ہے، تم اس ذریعہ سے نکال لو، پھر انہوں نے ڈول رسی بھی ترک کر دی۔

نتیجہ

یہ ایک واقعہ ہے، لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں سے ایک آدمی نے ایسا کیا، تو یہ شرعی حکم تو نہ ہوا، اگر شریعت یہی حکم دیتی جو حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے کیا ہے، تو دنیا والے کیسے زندہ رہتے؟ ہلاک ہو جاتے، انبیاء علیہم السلام تو دنیا کو آباد کرتے ہیں، پھر دعوت پیش کرتے ہیں، اولیاء کرام کے اس قسم کے واقعات صحیح ہیں، لیکن تعلیمِ نبوی نہیں ہے، رسول کریم ﷺ اس لئے تشریف نہیں لائے، تعلیم وہی ہے جو حدیث شریف میں ہے کہ وہ صدقہ ناپسند ہے جس سے تم فقیر ہو جاؤ، جن اُصول پر دنیا چل سکتی ہے وہ یہی ہے کہ دینے دِلانے کے بعد کاروبار میں فرق نہ پڑے، مگر لوگوں کا رجحان جتنا اولیاءِ عظامؒ کے واقعات کی طرف ہوتا ہے، اتنا حضور اکرم ﷺ کی

حدیث کی طرف نہیں ہوتا، حالانکہ ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

انبیاء علیہم السلام تو وہی اُصول بتاتے ہیں جسے ساری دنیا کرسکے، یہ ایک اُصول ہوا۔

اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا

وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی

ترجمہ

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''

اُوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والے کا ہاتھ ہے، نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والے کا ہاتھ ہے، کیونکہ عادۃً دینے والے کا ہاتھ اُوپر اور لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، کیا عجیب تلقین ہے کہ تم دینے والے بنو، لینے والے نہ بنو، مجبوری ہی ہوجائے تو لینے میں عیب نہیں، لیکن کوشش اسکی کرو کہ دینے والے بنو، لوگوں سے مانگ کر کھانے کی خصلت نہ بناؤ، ہر ایک کو یہی حوصلہ رکھنا چاہئے کہ دوسروں کو دیں نہ کہ لیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ جن کی لینے کی عادت ہوتی ہے وہ مانگنے کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، کتنا بھی ہوجائے وہ دوسروں پر خرچ کر ہی نہیں سکتے، جذبہ ہو، فکر ہو تو ہر ایک کے اندر یہ طاقت واستعداد رکھی ہے، خواہ دس روپے میں سے ایک پیسہ خرچ کرے، مگر کرے، لینے والوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ یہی کہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آؤ گے تو کیا لاؤ گے؟ اور ہم تمہارے پاس آئیں تو کیا دو گے؟

آج کل پیروں نے اس حدیث کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے کہ پیر صاحب کے سامنے ہتھیلی پر رکھو، اس پر روپیہ رکھو اور پیر صاحب کے سامنے کرو، تاکہ پیر صاحب کا ہاتھ اُوپر رہے، دینے والے کا نیچے رہے، نذرانہ لینے میں بھی ہاتھ اوپر رہے، تاکہ پیر صاحب کا ہاتھ بہتر ہی رہے، یہ سب لغو ہے۔

حدیث شریف کا تیسرا ٹکڑا

وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ: جب صدقہ نکالو تو اس سے شروع کرو جو تمہاری عیالداری میں ہیں، بیوی کو، بچوں کو، جس کو بھی ضرورت ہو، اس کی ضرورت پوری کرو، یہ ضرورت پوری کرنا صدقہ ہے اور بقدرِ ضرورت دینا تو ویسے بھی واجب ہے، واجب کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقہ دینا ہو تو پہلے ان پر صرف کرو، یعنی واجب اخراجات کے علاوہ نوافل بھی پہلے ان پر خرچ کرو، پھر ملازموں کو دیکھو، ان کی تنخواہ کم ہوتی ہے تو ان کو بطور انعام دیتے لیتے رہو، تنخواہ بھی دیتے رہو، زکوٰۃ کو اس تنخواہ میں محسوب نہ کرو، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں تنخواہ کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم ملازمین کو دی جاسکتی ہے، بعض لوگ باوجود ملازم کے مستحق ہونے کے انکو زکوٰۃ نہیں دیتے کہ کہیں زکوٰۃ ادا نہ ہو، سو اگر اس دینے سے کام پر کوئی اثر نہ پڑے، یعنی زکوٰۃ دیکر اس سے زیادہ کام نہ کرائے، تو جائز بلکہ ثواب ہے۔

غلط رِواج

بعض لوگ گھر والوں کو تنگ رکھتے ہیں اور دوستوں کو کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، ہوٹلوں پر بیٹھ کر بچوں کا حق بھی خرچ کرڈالتے ہیں، وہ احمق ہیں، اور بڑے احمق ہیں، ہاں اگر ایک آدمی بھوکا مر رہا ہے تو وہ مقدم ہے، ہمارے پاس اتنا ہے کہ

واجب، نفل دونوں ادا ہوسکتے ہیں تو اس کی بھی رعایت کی جاسکتی ہے۔

تیسری حدیث

ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ نے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، کہاں صدقہ کروں؟ مقصد یہ کہ کس کو دوں؟ فرمایا: "أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِکَ" اپنے نفس پر خرچ کر، یہ بھی صدقہ ہے، ایک دینار کوئی بڑی رقم نہیں ہے جس کو دوسروں پر بھی صدقہ کرے، ایک دینار چار ماشہ چونی سے کچھ زائد سونے کا سکہ ہوتا تھا، اس لئے فرمایا کہ اپنے اوپر خرچ کر، "قَالَ: عِنْدِیْ آخَرُ" اس نے کہا: میرے پاس ایک دینار اور ہے، "قَالَ: أَنْفِقْهُ عَلٰى زَوْجَتِکَ" آپ نے فرمایا: اپنی بیوی پر خرچ کر، یہ سن لیا تو اس نے کہا: "عِنْدِیْ آخَرُ" میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے، تھا ہوشیار! "قَالَ: أَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِکَ" اپنے خادم وملازم پر خرچ کر۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس سائل کی اولاد نہ تھی، اگر اولاد ہوتو ملازم سے پہلے اولاد کا حق ہے، بلکہ اولاد تو بیوی سے بھی مقدم ہے، کیونکہ اولاد کا نفقہ کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا اور بیوی ناشزہ یعنی نافرمان ہوجائے تو اس کا نان ونفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔

تین درجہ بترتیب ارشاد ہوئے، خود کا نفس، بیوی، خادم، اولاد کا اس حدیث میں بیان نہیں آیا، اس شخص نے کہا: "عِنْدِیْ آخَرُ" میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے "قَالَ: ثُمَّ أَنْتَ أَبْصَرُ" یعنی پھر تم جانو، کوئی عزیز ہو، ہمسایہ ہو اور محتاج ہو، جس کو جانتے ہو، اس کے حال سے واقف ہو، اسے دیدو، لفظ "أَبْصَرُ" سے

معلوم ہوتا ہے کہ بصیرت سے کام لینا چاہئے کہ کہاں خرچ کرنا بہتر ہے؟ اس سے اشارہ ہے کہ اس معاملے میں لاپروائی نہ کرے۔

زکوٰۃ میں ادائیگی ضروری ہے

قرآن کریم میں "آتُوا الزَّکوٰۃَ" فرمایا ہے، یعنی زکوۃ مستحق کو ادا کرو۔ تو مقصود مستحق کو دینا ہے نہ کہ زکوۃ نکالنا، اگر زکوۃ کا صرف نکالنا ہی مقصود ہوتا تو نکال کے کہیں ڈالدیتے، فرض ادا ہو جاتا، مگر ایسا نہیں ہے، ورنہ یوں فرمایا جاتا "وأخرجوا الزکوۃ" زکوۃ نکالو! سو مقصود زکوۃ نکالنا نہیں بلکہ مصرف صحیح میں خرچ کرنا مقصود ہے، ادا کرنا یہ ہے کہ مستحق کو پہچان کر دو، پہلے صحیح مصرف پہچانو، پھر اس کو دو، آج بہت سے ایسے سیٹھ بھی ہیں کہ انکے یہاں زکوۃ کا مہینہ ہی نہیں آتا اور جو نکالتے ہیں وہ مصرف نہیں دیکھتے، معلومات کرتا رہے، فکر رکھے، جب وقت آئے ادا کرے۔

بے فکری

ایک شخص برنس روڈ سے آئے، کہنے لگے کہ زکوۃ کے کپڑے بنے رکھے ہیں، کس کو دوں؟ میں نے کہا کہ ہماری زکوۃ تو پیشگی خرچ ہو جاتی ہے، کیونکہ فکر رہتا ہے، اس لئے پوچھ تاچھ کرتے رہتے ہیں، بہت ضرورتمند ہیں، اپنی قوم اور برادری میں بہت مل جائیں گے، جب فکر نہیں تو پڑوس کا بھی حال معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں، لفظ ابصرو میں ہدایت کی گئی ہے کہ اعزاء، اقرباء اور ماحول میں دیکھ بھال رکھا کرو کہ کون احق ہے، کون مقدم ہے، محض زکوۃ نکال کر جسکو چاہے دیدینا کافی نہیں ہے۔

حدیث

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو خادم تمہارا کھانا پکاتا ہے جب وہ تم کو کھانا کھلانے کے لئے لائے، تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اس کو بھی ساتھ کھلاؤ اور اگر اپنے ساتھ کھلانا کسی وجہ سے مناسب نہیں معلوم ہوتا تو دو چار لقمہ اس کو دیدیا کرو، گویا اس کا یہ حق ہے، اس نے محنت کی ہے، اس کو کھانے کی خوشبو آئی ہے، اس کا بھی دل چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تو غلاموں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری لمحات میں جب اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے، یہ فرماتے تھے "اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کہ نماز کا خیال رکھنا اور غلام باندیوں کیساتھ سلوک سے پیش آنا، حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت وصال ہوا ہے، آپ ﷺ بھی نماز اور غلاموں کے متعلق فرما رہے تھے۔

قابلِ غور بات

آپ غور کریں کہ نماز کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً پانچ سو جگہ آیا ہے، پھر آخری سانسوں تک اس کی تلقین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین کا خلاصہ ہے، کیونکہ اَلصَّلٰوۃُ تو حقوق اللہ ہوئے اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ حقوق العباد ہوئے، اور سارا قرآن وسنّت اسی حقوق اللہ وحقوق العباد کی تفسیر ہیں، نماز حقوق اللہ میں اعظم حق ہے اور عبادتیں تو ایک وقت ہوتی ہیں، ایک وقت نہیں ہوتیں، مگر نماز ایک دائمی روزانہ کا فریضہ ہے، اور غلام باندیوں کے حقوق میں لوگ کوتاہی کرتے ہیں، سمجھتے ہیں یہ

ہمارے غلام باندی نہیں، یہ کیا کہہ سکتے ہیں؟ ہماری مِلک ہے، اور کہے بھی کیسے! اور کسی کو کہے تو سنتا کون ہے؟ نہ لڑ سکتے ہیں، نہ جھگڑا کر سکتے ہیں، اس لئے حقوق العباد میں ان کا نام لیا، یہ آخری لمحۂ حیات کی وصیت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس لفظ سے مراد صرف غلام و باندی ہی نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ شخص مراد ہوگا جو دوسرے سے اپنی دادرسی نہ کر سکے، اس کا کوئی حمایتی اور سننے والا نہ ہو، اگر تم اپنی چھوٹی اولاد یا بیوی کو تکلیف دو تو وہ کس سے کہیں؟ باپ یا خاوند ہی ظلم کرے تو کس سے کہیں؟ اس سے تو خدا ہی کا خوف باز رکھ سکتا ہے، ورنہ دنیوی قانونی راستہ بالکل ناکافی ہے، اگر راحت و سکون مل سکتا ہے تو قرآن اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم میں مل سکتا ہے، خدا کا خوف اور تقویٰ جب تک قلب میں نہ ہو، ظاہری قوانین سے کیا بنتا ہے؟

ازدواجی زندگی میں خوفِ خدا

نکاح کے خطبہ میں جن تین آیتوں کا پڑھنا مسنون ہے، وہ تینوں آیتیں "اِتَّقُوا اللّٰہَ" سے شروع ہوتی ہیں، آخر ان تینوں آیات کا کیوں انتخاب کیا؟ اس لئے کہ ازدواجی زندگی خوفِ خدا کے بغیر درست نہیں ہو سکتی، اور نہ کوئی مار مار کر درست کر سکتا ہے، زوجین کی زندگی کے حسین بنانے کیلئے صرف تقویٰ درکار ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو کوئی طاقت سنوار نہیں سکتی، مثلاً خاوند اچھی بات کرتا رہے اور آخر میں ایک جملہ ایسا کہہ دے جس سے تن بدن میں آگ لگ جائے تو دنیا کا کون سا قانون اس کو روکے گا؟ ایک شخص تھے، ان کے یہاں کھانے پینے کو، سب ہی راحت کا گھر میں سامان تھا، مگر وہ منہ بنا کر چڑا دیتے تھے، اب اس پر قانون کیا حکم لگائے گا اور کیا انتظام کرے گا؟ بیوی کی زندگی تلخ ہو رہی ہے، خاوند کہتا ہے: نہ میں نے

مارا، نہ گالی دی ہے، اور بیوی شکایت بھی کرے تو والدین کیا روزانہ ان باتوں کا فیصلہ کرنے آسکتے ہیں؟ خوفِ خدا ہی اس رشتہ کو جوڑ سکتا ہے، لہٰذا آخری لمحات میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ تم سربراہ ہو، تمہارے ماتحت غلام ہو یا بیوی بچے ہوں، ان کا خیال رکھنا۔

اسلام کے اندر قرونِ اولیٰ میں غلاموں کا بھی وہ حال نہ ہوتا جو آج ماتحتوں کیساتھ ہو رہا ہے، جانوروں کیساتھ وہ سلوک نہیں ہوتا تھا، جو انسانوں کے ساتھ کر گزرتے ہیں، افسروں کی یہ حالت ہے۔

دفتر کا ایک واقعہ

کسی کلرک نے درخواست دی کہ جس کا تبادلہ ہو گیا تھا کہ میری بیوی سخت بیمار ہو گئی ہے اور میں اکیلا ہوں، آپ تبادلہ نہ کریں، مجھے یہیں رہنے دیں تو سن کر وہ آفیسر ہنسے اور کہنے لگے: دعا کرو اس کی بیوی ختم ہو جائے تو فرصت سے یہ دفتر کا کام کریں گے، یہ قساوتِ قلبی ہے، بے رحمی ہے، اور ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں، رحم ہی نہیں، کوئی رشوت دینے والا ہو تو جو چاہے کرالو، اب تو عوام، افسروں اور کلرکوں سب آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے، درخواست دیکھی، پھینک دی، کبھی گم کر دی، جو سلوک برے سے برے غلاموں کے ساتھ نہ ہوا وہ آج رعایا کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

حدیث کا حاصل

حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ بے چارگی سے لاچار ہوں، انکے حقوق کی بھی نگرانی کرو، ورنہ لاچار کا انتقام پھر اللہ تعالیٰ ہی لیتے ہیں۔

حدیث کی وضاحت

حدیث شریف میں یہ جو فرمایا کہ جو تم کھاؤ، ان کو کھلاؤ، جو تم پہنو، ان کو پہناؤ، اس سے بعینہٖ وہی کھانا نہیں جو تم کھاتے ہو، وہی لباس نہیں ہے جو تم پہنتے ہو، بلکہ اس قسم کا لباس ہو جس کے ذریعہ سردی گرمی سے حفاظت ہو سکے، ''وَ لَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰہِ'' اللہ کی مخلوق کو تکلیف میں نہ ڈالو، مخلوق عام ہے، غلام ہو، بیوی ہو اور کوئی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرما رہے ہیں کہ اسکو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ ''فَلْیُجْلِسْهُ'' آج یہ حال ہے کہ غلام تو غلام، نوکر کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھانا نہیں کھلاتے، ہاں بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ تم کو اپنی حیثیت برقرار رکھنی ہے تو خیر اس کو الگ ہی دیدو۔

حدیث

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

یہ ابو محذورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے، ایک حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک اور صحابی ہیں، اسطرح یہ چار مؤذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے۔

''قَالَ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عُمَرَ اِذْ جَاءَ صَفْوَانُ بْنُ اُمَیَّةَ بِجَفْنَةٍ

کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا، اتنے میں

حضرت صفوان بن امیہ جفنہ لیکر آئے۔

جفنہ کے معنٰی تھال، تسلہ جس میں کھانا کھاتے ہیں، اور یہ صفوان اخیر میں مسلمان ہوئے ہیں، فتح مکہ میں بھی بھاگ نکلے تھے، پھر ان کے کسی عزیز نے ان کے لئے پناہ طلب کی تھی، پناہ ملنے پر یہ واپس مکہ آگئے تھے، آنے کے بعد بھی کفر پر قائم رہے، جب غزوۂ حنین ہوا، اس وقت یہ مسلمان ہوئے، یہ جاہلیت کے رئیسوں میں سے ہیں، جاہلیت کے زمانے کے دس رئیس مشہور تھے، ان میں سے یہ ایک ہیں۔

وہ جفنہ کافی بڑا تھا، اسلئے دیگ کی طرح اس کو پکڑ کر لائے۔

''فَوَضَعُوْهَا بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ'' انہوں نے لاکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھ دیا، ''فَدَعَا عُمَرُ مَسَاكِيْنَ النَّاسِ وَ أَرِقَّاءَ مِنْ أَرِقَّاءِ النَّاسِ'' حضرت عمرؓ نے تمام مساکین اور غلاموں کو بلالیا، ''فَأَكَلُوْا مِنْهُ'' انہوں نے سب نے ملکر اس جفنہ میں سے کھایا، اور یہ فرمایا: جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھانا کھانے سے عار کرتے ہیں وہ ہلاک ہوجائیں۔

دراصل یہ صفوانؓ کو تعلیم دینی تھی اور صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ کھانا تھوڑا رہے گا، اس لئے غلاموں کو نہیں بلایا تھا، چونکہ حضرت صفوان بھی صحابی ہیں، ان کا فعل نہ بلانا ہے، اس لئے کھانا مقدار میں کم ہو یا اور کوئی عذر ہو تو ساتھ بٹھلا کر نہ کھلانا جائز ہے، لیکن جس سے پکوایا ہے اس نے کھانے کی خوشبو سونگھی ہے، اس کا حق ہے کہ اس کو ضرور کچھ نہ کچھ دیدیا جائے۔

اور اگر نفس کو ساتھ ملکر کھانے میں عار آتی ہو تو اس میں عجب کا علاج بھی ہے کہ ضرور ساتھ کھلائے، اور اس میں نوکر کی تربیت بھی ہے کہ اگر خیال ہو، قرینہ سے معلوم ہو کہ نوکر سر پر چڑھ جائیگا، کام نہ کریگا تو اس کو الگ دیدیا جائے۔

صحابہ کرامؓ میں حقوق سب کے برابر سمجھے جاتے تھے، اب ان حقوق کی رعایت نہیں کی جاتی ہے، اس لئے دونوں جانب کی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے کہ ساتھ کھلانا حقِ واجب نہیں ہے، مگر ساتھ کھلانے کو اپنی توہین بھی نہ سمجھنی چاہئے۔

ملفوظات

فرمایا:

(۱)...ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کا کٹوانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، لمبی ڈاڑھی رکھنا سنّت نہیں ہے۔

(۲)...مرد عورت کا اور عورت مرد کا حِج بدل کر سکتی ہے۔

(۳)...چراغِ نور کے نام سے قرآن مجید کا ترجمہ بغیر متن کے طبع ہوا ہے، اس طرح سے ترجمہ ہی ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔

(۴)...حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ نقل کیا کہ میں لوگوں کو شرعی باتیں پہنچادیتا ہوں، عمل پر کسی کو مجبور نہیں کرتا، ہاں خلافِ شرع عمل کرتے ہوئے دیکھ کر شکایت ہوتی ہے اور کسی کو ایذاء پہنچاتے ہوئے دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے۔

(۵)...مجھے عاصی سے اتنی نفرت نہیں جتنی مدعی تقدس سے ہوتی ہے۔

(٦)...ختمِ خواجگان ہمیشہ بھی پڑھ سکتے ہو، کسی خاص وقت دعا کرنی ہو، تب بھی پڑھ لیا کرو۔

مجلس مبارک برکوٹھی لسبیلہ چوک

۴؍رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

عامر شعبیؒ سے سوال

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ جو اکبر تابعین میں سے ہیں، ان سے کسی شخص نے کہا: کیا ایسا حدیث میں آیا ہے کہ اپنی باندی آزاد کرے، پھر اس سے نکاح کرے، بظاہر تو یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی قربانی کے جانور پر سوار ہو کر چلے، یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا، اس کا جواب حضرت عامر شعبیؒ نے یہ دیا کہ سنی سنائی بات کی پوری تحقیق کر لینا چاہیے، آج کل سنی سنائی بات پر عمل کر گزرنا عام ہو رہا ہے، اور یہ خرابی کی بات ہے، پھر اس پر یہ طرہ ہے کہ کوئی ٹھیک بات بتائے تو مانتے بھی نہیں۔

جواب

حدیث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ثَلٰثَةٌ لَّهُمْ أَجْرَانِ" تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کو ان کے عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا، لَهٗ أَجْرَانِ اس شخص کے دو ایمان ہوئے، یہ دو پیغمبروں پر ایمان لایا، لہٰذا اجر بھی اس کو دگنا ملے گا، دوسرے وہ عبدِ مملوک ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کیا، یعنی نماز، روزے کا بھی پابند ہے اور اپنے آقا کی خدمت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا، اس میں نوکر بھی داخل ہے، جو نوکر حق اللہ، احکامِ الٰہی کی پابندی کرتا ہے اور جس کے یہاں ملازم

ہے اس کا حق بھی پورا ادا کرتا ہے، اس کے لئے بھی دو اجر ہیں۔

تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس باندی تھی، اس نے اس کو آزاد کردیا، پھر اس سے نکاح کیا، اسکو تعلیم دی، اور تادیب کی، فَلَهُ أَجْرَان، اس کیلئے بھی دو اجر ہیں، یہ شخص اگرچہ بغیر نکاح کے زن و شوہر کے تعلقات رکھ سکتا تھا، کیونکہ ملکیت قائم مقام نکاح کے ہے، بیع میں ایجاب وقبول ہوتا ہے اور قیمت طے ہوتی ہے، جس طرح نکاح میں ایجاب وقبول ہوتا ہے اور مہر طے ہوتا ہے، نکاح کے ایجاب وقبول سے تو صرف تمتع وانتفاع کا مالک ہوتا ہے، بیع میں تو اس کی رقبہ کا مالک ہوجاتا ہے، تو جب نکاح سے وطی کرنا درست ہے تو بیع جاریہ ہوجانے سے تو بدرجۂ اولیٰ وطی کا مالک ہوجانا چاہئے، اور ہر طرح کی خدمت لینا اس سے درست ہے۔

تین آدمی تو حدیث کی رو سے یہ ہوئے جن کو دُہرا اجر ملتا ہے، ایک کا قرآن کریم میں ذکر ہے "تَعْمَلْ صٰلِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ " یہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں آیت ہے، ان کے عمل کا اجر دُہرا ہے، اسی طرح گناہ کی سزا بھی دُگنی ہے "يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ"

شبہ

ان لوگوں کو دو اجران کے دو عملوں کی وجہ سے دئے گئے تو اس میں ان ہی کی کیا تخصیص ہوئی؟ جو بھی دو کام کریگا، اس کو دو ثواب ملیں گے، کوئی دس کا کریگا تو اس کو دس ثواب ملیں گے۔

جواب

تخصیص کا منشا یہ ہے کہ ان کو ہر عمل میں دُگنا ثواب ملے گا، نماز پڑھنے کا دُگنا ثواب، روزے کا اَوروں سے دُگنا ثواب ملے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بقدرِ مشقت ثواب دیتے ہیں، اور ان اُمور میں بہت مشقت ہے، دیکھئے! ایک نبی پر ایمان لانے کے بعد دوسرے نبی پر ایمان لانا بہت مشکل ہے، آج کل دیکھئے! اگر کسی فاسق وفاجر کو پیر بنالیا تو ایسے نبھاتے ہیں حتی کہ خاندانی پیر جسے الف سے بے نہیں آتا، اسے بھی نبھاتے ہیں، جانتے ہیں پھر نہیں چھوڑتے، تو جب پیر بنا کر اسے نہیں چھوڑ سکتے تو جو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہو، پھر اسے کہا جائے کہ تم خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لاؤ تو بڑی مشقت اور دشوار کام لگتا ہے، پہلے نبی کی پیروی چھوڑ کر آخری پیغمبر کی اتباع کرنا مشکل ہوتا ہے، اور جب کہ ہر آنے والا پیغمبر اپنے سابقہ پیغمبروں کو سچا بتاتے اور ان کی تصدیق کرتے ہوں تو ان کے چھوڑنے میں بڑا وزن پڑتا ہے، عقل پر بھی، ذہن پر بھی، اسلئے ان کو دُہرا اجر دیا جائے گا۔

دوسرے غلام یا نوکر، اسے بھی مشقت کا سامنا ہوتا ہے، ایک طرف آقا نے کام بتایا، اُدھر اذان ہوگئی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ نماز کے لئے آؤ، اب فکر میں پڑتا ہے کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ دونوں حق پامال نہ ہوں، کس قدر مشقت ہے! لیکن اگر کسی وقت تضاد رفع نہ ہو تو حق اللہ مقدم ہوگا جو فرض وواجب ہو، ایسے ملازم کو بھی ہر عمل کا دُہرا ثواب ملے گا۔

تیسرے آقا اپنی باندی سے ویسے ہی صحبت کرسکتا تھا، اس سے نفع حاصل

کرتا اور خدمت لے سکتا تھا، لیکن اس نے آزاد کیا، پھر اپنے اوپر مزید ذمہ داری بڑھائی، نان ونفقہ اور مہر کا بار اپنے اوپر بڑھایا، اس لئے دو اجر ملیں گے۔

ایک اشکال

اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوا کہ جو صحابہ اہلِ کتاب تھے جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کو دُہرا اجر ملے گا، اور خلفاءِ راشدین حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما کو اِکہرا اجر ملے گا تو سلمان فارسیؓ خلفاءِ راشدین سے بڑھ گئے، حالانکہ تمام اُمت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سب سے افضل ہیں، بالترتیب ان چاروں سے کوئی افضول نہیں ہے، پھر ان چاروں کے بعد عشرۂ مبشرہ ہیں، ان دونوں فضیلتوں میں بظاہر تعارض ہو گیا۔

جواب

دُہرا یا اِکہرا ہونے کا اثر اس وقت پڑتا ہے جب دونوں کی جنس ایک ہو، مثلاً روپیہ ہے، ایک آدمی کو دو روپے دئے، ایک کو ایک روپیہ دیا، اس میں دو روپے والے کو فضیلت ہے، لیکن اگر کسی کو ایک اشرفی دی اور دوسرے کو دو روپیہ دئے تو ایک اشرفی اگرچہ عدد میں ایک ہے، مگر دو روپے سے جو دُہرے ہیں، بڑھ جائے گی "سو سنار کی، ایک لوہار کی" والا معاملہ ہے، حضراتِ شیخینؒ نے عمل کیا تو ایک موتی ملا، اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تو دو روپے ملے، لہٰذا افضیلت تو خلفاءِ اربعہ ہی کو ہوگی۔

عامر شعبیؒ نے یہ حدیث بیان کر کے کہا کہ جاؤ! تم کو ایک نعمت دیدی ہے، یہ

احسان جتلانا نہیں ہے، بلکہ رغبت دلانے کی نیت سے کہا ہے، چونکہ اس زمانے میں ایک حدیث کے حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے سفر کیا کرتے تھے، اور ان کو قدر بھی ہوتی تھی، آج اس علمِ شریعت کی قدر نہیں رہی، اس لئے بلا بلا کر مسائل بتاتے ہیں، ان کو چھپواتے ہیں کسی طرح یہ حلق میں اُتر جائے، لیکن لوگ اس کو فضل سمجھتے ہیں، ان لوگوں کا تو شکر کرنا چاہئے جو بلا طلب دین پیش کرتے ہیں۔

دوسری حدیث

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کُلُّکُم رَاعٍ وَكُلُّکُم مَسئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" تم میں سے ہر ایک راعی اور امیر ہے، ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، اور جتنی اس کی رعیت اور اس کے ماتحت ہیں، اتنا ہی اس سے سوال زیادہ ہوگا، ایک ملک کا بادشاہ ہے، ایک شہر کا حاکم ہے، ایک گاؤں کا نمبردار ہے، ایک آدمی گھر کا بڑا ہے، وہی ان بیوی بچوں کا بڑا اور امیر ہے۔

ایک واقعہ

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دیہاتی آدمی ہارون رشید کے دربار میں پہنچ گیا، اسے تو پہلے معلوم ہی نہ تھا کہ دربار کیسا ہوتا ہے؟ اس نے خلیفہ ہارون رشید کی تعظیم ملاحظہ کی، وہ تخت پر بیٹھ جاتا ہے، اور تمام درباری بڑی تعظیم سے کھڑے ہوتے اور بات کرتے ہیں، خیر وہ جب اپنے گھر آیا تو سوچا کہ لوگوں کو یہ کیسے پتہ چلے کہ یہ بغداد ہو کر آیا ہے، وہاں کا نمونہ دکھاؤں، لوگ پوچھیں گے تب ہی کہوں گا کہ بغداد میں ایسا ہوتا ہے، اب اس کی رعیت تو بیوی بچے ہی تھے، اس

لئے اس نے چوک میں ایک تخت بچھایا، اس پر خود بیٹھ گیا اور بیوی سے کہا کہ جاؤ! حقہ بھر کر لاؤ، اور ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے پیش کرو اور یہ کہو: امیر المؤمنین! یہ حقہ حاضر ہے، تو اس کی رعیت اس کی یہی بیوی تھی، اس سے یہ کام لیا۔

بہر حال! ہر ایک امیر ہے اور اس کی کوئی نہ کوئی رعیت ہے، اس امیر سے رعایا کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے ان کے نام اچھے کیوں نہ رکھے؟ ان کو دینی تعلیم وادب کیوں نہ سکھلایا؟ نیکی کی عادات کیوں نہیں ڈالیں؟ گناہوں سے نفرت کیوں نہیں دِلائی؟ اب جیسے بیوی اور اولاد کو عمل نہ کرنے سے عذاب ہوگا، والدین کو بھی نہ سکھانے کیوجہ سے عذاب ہوگا، بے دین، بے نماز ہونے کا لڑکے کو گناہ ہوگا، باپ کو نہ بتانے کا گناہ ہوگا، بیوی پردہ نہیں کرتی اور خاوند اس کی تنبیہ نہیں کرتا تو وہ بھی گنہگار ہوگا، ملازم ماتحت تھے، ان کو نہ دین سے آگاہ کیا، نہ ان کو حکم کیا تو عاصی ہوگا، ہاں ان کو آگاہ کر دیا اور بار بار ٹوکتے رہے، اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی، پھر اولاد بے دین رہی، دین پر نہ آئے تو پھر اس سے سوال نہ ہوگا، ورنہ دونوں سے ہوگا۔

”وَعَبْدٌ لِلرَّجُلِ رَاعِي عَلٰى مَالِ مَالِكِهٖ“ غلام اور نوکر اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اگر نوکر نے مال چرایا تو نہیں مگر حفاظت میں کوتاہی کی، اس کی جو ذمہ داری تھی اس کو پورا نہ کیا تو سوال نوکر سے بھی ہوگا کہ تم نے غفلت کیوں کی؟ حفاظت کیوں نہیں کی؟ بادشاہ ساری مملکت کا راعی ہے، اس سے ہر ایک فردِ رعیت کے متعلق سوال ہوگا، ان پر مصیبت آئی اور بادشاہ نے جو خبر گیری نہ کی، تب بھی سوال ہوگا۔

بڑھیا کا واقعہ

ایک بڑھیا کچھ بکریوں کی مالک تھی، ایک بھیڑیا آیا اور اس کی ایک بکری کو اُٹھا کر لے گیا، بڑھیا نے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو بد دعا دینی شروع کی کہ عمر کا یہ ہو، وہ ہو جائے، امیر المؤمنین کیا لاٹھی لئے پھرتے ہیں کہ کوئی بھیڑیا بکریاں نہ کھا جائے، اس لئے جنگلوں میں مارے مارے پھریں، مگر اتفاق کی بات جب وہ بڑھیا بد دعا دے رہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِدھر آ نکلے، وہ بڑھیا ان کو پہچانتی نہ تھی، حضرت عمرؓ نے بڑھیا سے پوچھا کہ عمر نے کیا قصور کیا ہے جو تو یہ کہہ رہی ہے کہ امیر المؤمنین بنا بیٹھا ہے، رعیت کی خبر نہیں لیتا، تو کیا عمر ہر وقت تیری بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے یہاں بیٹھا رہے؟ بڑھیا بولی کہ اگر اس سے رعیت کی خبر گیری نہیں ہوتی ہے تو استعفیٰ دیدے، وہ خلافت کا اہل نہیں ہے، سپاہی مقرر کرے، ہماری چراگاہ میں پہرہ لگائے، پہرہ دار بٹھائے، تاکہ بھیڑیا بکریوں کے پاس نہ آوے، علمِ غیب کی کون کہتا ہے؟ بیشک عمر کو علمِ غیب نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سنکر رو پڑے کہ مجھ سے تو یہ بڑھیا ہی زیادہ سمجھدار ہے، علمِ غیب کی نفی کر رہی ہے، اور انتظام کی بات بتلا رہی ہے، میری ہی غلطی ہے، سو اس بڑھیا سے معافی مانگی، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ!

امیر تو راعی ہے، لوگوں نے سلطنت کرنے کو راحت سمجھا ہے، وہ تکلیف و مضرت کا پیش خیمہ ہے، سارے جہان کا غم مول لینا ہے۔

ما غمِ نانِ داریم و تو غمِ جہاں داری

بلکہ جو جتنا بڑا امیر ہے، اتنا ہی قابلِ رحم ہے۔

آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے

"اَلرَّجُلُ عَلٰی أَھْلِ بَیْتِہٖ" مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے، اس میں بیوی بچے، بھتیجے، بھانجے، نوکر چاکر سب داخل ہیں، ان سب کی گھر والے پر ذمہ داری ہے، ادا نہ کی تو تم بھی بھگتو گے وہ بھی بھگتیں گے، سمجھانے میں کوتاہی نہ کرو" أَلاَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" آپ نے اس کلمہ کا پھر اعادہ کیا۔

تعلیم کمیٹی

اس پر یاد آیا کہ لاہور میں تعلیم کمیٹی قائم کی گئی تھی، میں نے اس کے لئے اسی حدیث کو بنیاد بنایا تھا، اسلامی تعلیم یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

مگر آپ کے یہاں تو بچوں کی تعلیم پرائمری سے شروع ہوتی ہے، پانچ سال کی عمر میں سکول میں داخل کیا جائے تو پانچ سال تک آپ کے یہاں بچہ تعلیم سے خارج رہتا ہے، اور اسلام کی تعلیم فطری تعلیم ہے، وہ پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے، ذمہ داری شروع ہی سے ڈالدی جاتی ہے۔

نصابِ تعلیم و نظامِ تعلیم

دراصل یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک نصابِ تعلیم ہے اور ایک نظامِ تعلیم ہے، پرندے کیہ دو بازو ہیں، دونوں ضروری ہیں، گاڑی کے دونوں پہیے ہیں، آجکل یہ دونوں خراب کردئے گئے ہیں، اور اسلامی نصابِ تعلیم کی قدر نہیں رہی، وجہ یہ ہے کہ وہ ہم کو مفت مل گیا ہے، اگر محنت و مشقت کے بعد حاصل ہوتا تو قدر ہوتی، جو ماں باپ نے بتلایا وہ سیکھ لیا، اور جو کچھ کلمہ و نماز سیکھ لیا، اس کی قدر نہ کی۔

سو نصابِ تعلیم "کُلُّکُمْ رَاعٍ" سے شروع ہوگا، بچے پر گناہ وثواب تو نہیں مگر والد پر ذمہ داری ضرور ہے، بچے کو بھی اگر ریشمی کپڑا پہنایا تو والد پر گناہ ہوگا، سونے چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے، عورت کے لئے زیور پہننا جائز ہے، لیکن مرد کی طرح نابالغ بچوں کو بھی چاندی سونے کا استعمال ناجائز ہے، ہاں انگوٹھی چاندی کی ہو تو ساڑھے تین ماشہ تک مستثنیٰ ہے، سونے کی بالکل جائز نہیں ہے، اور سونے چاندی کے بٹن! تو جو بٹن زنجیر والے آتے ہیں، وہ تو مرد کو حرام ہیں، وہ باقاعدہ زیور ہے، ہاں کپڑے کی گھنڈیاں تار سے گانٹھ لی جائیں، اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، کیونکہ اہلِ عرب ان گھنڈیوں کو کپڑے میں سی لیتے تھے، ان کو کپڑوں کے تابع رکھ کر جائز کہا ہے، بٹن کپڑوں سے الگ ہوتے ہیں، وہ جائز نہیں۔

اسی طرح سونے کی گھڑی جس میں اکثر حصہ سونے کا ہو، مرد کو حرام ہے، ہاں رولڈ گولڈ جائز ہے، وہ سونا نہیں ہے، گھڑی کا کیس غالب یا کل سونے کا ہو، اس کا استعمال بھی حرام ہے، اگر دوسری دھات اور سونا برابر کا ہو تو بعض فقہاء نے اس کو بھی حرام کہا ہے، کیونکہ بہرحال! اس میں سونا موجود ہے اور زیور کے طور پر پہننا ناجائز ہے، البتہ مجبوری ہو تو بناء بر اختلاف گنجائش نکل آئے گی، البتہ نہ پہننا ہی اولیٰ ہے، باقی زیور کے علاوہ استعمالی چیزیں مثلاً آئینہ کا گھر (یعنی آئینہ کا فریم)، گلاس، چمچہ سب کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لئے حرام ہے، فاؤنٹین پین کا نب، نہ وہ زیور ہے اور نہ ظرف ہے، وہاں ضرورت ہے، اسلئے جائز ہے، اور نب خالص سونے کا ہوتا بھی نہیں، ورنہ گھس جاتا۔

ماں کی گود سکول ہے

ماں کی گود اسکول ہے، والدین معلم وماسٹر ہیں، یہ گھر یونیورسٹی ہے، تعلیم

جبری ہے، جب بچہ بولنے لگے، سب سے پہلے اللہ کا نام یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سکھلاؤ، تعلیم کمیٹی کے سپرد نہیں کیا، مگر گھر کا نصاب تعلیم اللہ کے نام سے شروع ہوتا ہے، اس سلیبس کا پہلا سبق "کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" ہے، اسکے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ، پھر کوئی آیت سکھلاؤ، انبیاء کے نام سکھاؤ، اسی طرح آہستہ آہستہ سکھاتے رہو، یہی اصل پرائمری ہے، جھوٹ بولے، غیبت کرے تو روکو، اسکو بتاؤ، بچے کا ذہن کورا کاغذ ہے، جو نقش چاہو، لگا دو، جھوٹ نہ بولو، گالی نہ دو، اس طرح کی تہذیب شروع ہی سے سکھائی جاتی ہے، یہ اسکول کی تعلیم نہیں ہے، گھریلو والدین کی ذمہ داری والی تعلیم ہے۔

اس وقت بچہ بلا تکلیف کے اسلامی تہذیب و تمدن کا عادی ہو جائیگا، جب بالغ ہو گیا، اس وقت بری عادتیں چھڑوانا تو ماں کا دودھ چھڑوانا ہے۔

یورپ کے خاص خاص اخلاق کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ سب اسلام ہی سے لئے ہیں، اور جہاں اخلاق کچھ اچھے ہیں وہ کالج کی تعلیم سے نہیں، بلکہ گھریلو اور ماحول کا اثر ہے۔

جب بچہ آنکھ کھولے گا، اس کے سوا اور کوئی سامنے آئے گا، ماں، باپ، بھائی، بہن، ان کے سوا کس سے وہ سیکھے گا؟ اسکول ہر جگہ نہیں ہیں، جہاں اسکول نہیں، وہاں کس طرح سیکھے گا؟ جن قوموں نے قرآنی تعلیمات کو اپنا لیا، خواہ وہ مسلمان نہ ہوں، انہوں نے گھر کا سارا ماحول سُدھار لیا، انہوں نے نصاب و نظام دونوں اسلام سے سیکھ لئے ہیں، دیکھو! لوگ کیسی تعریف کرتے ہیں، حقیقت میں تعلیم تو پانچ سال سے پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے، اس عمر میں بھی بچے کے سامنے

کوئی ایسا کام نہ کرو، جو ناجائز اور غلط ہو، اگر بچہ غلطی کرے، گالی دے اور ماں باپ قہقہہ لگائیں گے تو بری عادت پڑ جائے گی، پھر عمر بھر نہ جائے گی۔

ایک ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ میں تصویر بنا کر یاد کراتا ہوں کہ یہ کتا ہے، بلی ہے، چوہا ہے، تصویر سے ذہن جلدی قبول کر لیتا ہے، کتابوں میں بھی فوٹو اسی لئے بنائے جاتے ہیں۔

میں نے کہا: آپ لوگ کتا، بھیڑیا، چوہا ان بچوں کو سمجھاتے رہیں اور گھر والے اُٹھنا بیٹھنا، بات کرنا گھر میں سکھایا کریں، ہم تو والدین کو کہیں گے کہ دین" سکھانا تمہارا کام ہے، جب گھر کی پرائمری درست ہوگی تو آخر تک کام ٹھیک رہے گا، اسی طرح اگر مسجد کا نظام صحیح ہو جائے کہ امام جو راعی ہے وہ ہدایات صحیح دیتا رہے، تو ماہر عالم کی ضرورت نہیں رہتی، جتنی یونیورسٹی میں تعلیم ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں مسجد میں عملی تعلیم ہو سکتی ہے۔

ملفوظات

فرمایا: مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی مرحوم سے کسی شاہ صاحب نے کہا کہ تم لوگ گناہ تو بے گنتی کے کرتے ہو اور ذکرِ الٰہی گنتی کیساتھ کرتے ہو، بات آپ نے ڈھنگ کی کہی، لیکن مولانا عبدالکریم صاحب بہت سمجھدار تھے، انہوں نے فرمایا کہ ذکر کی گنتی اپنے نفس کے لئے کرتے ہیں تا کہ یہ پابند رہے، حیلے بہانے نہ کرے، اگر کم کرے تو پورا کرنے کا مطالبہ رہے، اسی لئے اپنے معمول کے ناغہ ہونے کو پورا کرنا چاہئے۔

ایک صاحب نے کہا کہ قرآن کریم کو سلسلہ وار تلاوت کرنے کو جی

چاہتا ہے، بلاسلسلہ جی نہیں چاہتا، یہ کیسا ہے؟

فرمایا: سلسلہ وار کرنا ہی بہتر ہے، دیکھئے! میں نے یہ قرآن شریف کھلا ہوا رکھا ہوا ہے اور اب دوسرے کام میں مصروف ہوں، قرآن شریف جب تک کھلا ہوا رہے گا، دل میں تقاضا رہے گا کہ اس کو پڑھنا ہے، اسی طرح سلسلہ وار پڑھنے میں تقاضا رہتا ہے، بلاسلسلہ پڑھنے میں یہ تقاضا ختم ہو جاتا ہے۔

ان ہی صاحب نے پوچھا کہ رمضان شریف میں کون سی عبادت افضل ہے؟

فرمایا: تلاوتِ قرآنِ کریم، اور اس کو پڑھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ جتنا زیادہ ہو سکے، پڑھا کرے، دوسرا وقت ایسا نکالے کہ اس میں سمجھ کر پڑھے، اگرچہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو۔

ارشاد

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے فرمایا ہے "ضَيَّعَهٗ أَصْحَابُهٗ" ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا، یعنی ان کے حالات اور ملفوظات قلمبند نہیں کئے۔

ایک صاحب نے ختمِ خواجگان کے متعلق پوچھا: کس طرح پڑھا کرتے ہیں؟ فرمایا: اوّل دس مرتبہ درود شریف، پھر (۳۶۰) مرتبہ "لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ، اس کے بعد (۳۶۰) مرتبہ سورہ أَلَمْ نَشْرَحْ، اس کے بعد (۳۶۰) مرتبہ اوپر والا لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ آخر تک، پھر دس مرتبہ درود شریف۔

اسکے بعد مولوی بشیر صاحب کی بیمار پرسی فرمائی اور فرمایا کہ رمضان شریف میں ظہر کے بعد تین بجے سے ۵ بجے تک مجلس ہوا کریگی۔

ارشاد

فرمایا کہ اگرچہ ہماری مسجد کے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن ان کے پیچھے اس لئے پڑھ لیتا ہوں کہ نفس گھر پڑھنے کا خوگر ہو جائے گا۔

فرمایا: رقم سے پہلے لفظ مبلغ لکھنے کو ہم پہلے فضول سمجھا کرتے تھے، لیکن اب معلوم ہوا کہ اسکا بڑا فائدہ ہے کہ اس سے قبل کوئی رقم نہیں بڑھا سکتا ہے، ایک ہزار سے پہلے ایک لاکھ کر دے، دہائیاں بڑھا دے تو بڑھا سکتا ہے، مگر مبلغ لکھنے کے بعد جگہ نہیں رہتی، اسلئے اب نہیں بڑھا سکتا۔

فرمایا: فالتو کاغذ جمع کرتا رہتا ہوں اور انکو مختلف کاموں لاتا رہتا ہوں۔

مجلس مبارک

۵؍رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

یہ آیت تلاوت کی:

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ أَخُوْهُ أَحَبُّ إِلَى أَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ
إِنَّ أَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُبِيْنٍ

بھائیوں کا باہم مشورہ

لَيُوْسُفُ میں لام مضمون جملہ کی تاکید کیلئے ہے، جس کا ترجمہ ہوگا ''بیشک''، لام لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس بارے میں رائے مشورے کی ضرورت نہیں کہ والد صاحب کو یوسف سے زیادہ محبت ہے، یہ تو تحقیقی بات ہے، ورنہ مشورہ یہاں سے شروع ہوتا کہ پہلے محبت کا زیادہ ہونا ثابت کرو، پھر یوسف کا نام لیا، اگر مبہم لفظ بھائی کہہ دیتے تو مشورہ بھی مبہم ہی رہتا، اور ایک دوسرے کو مشورہ دینے میں دِقت رہتی، اس لئے یہاں نام لینا عینِ فصاحت ہے کہ اب دوسرے بھائی کا احتمال ہی نہیں رہا، اس کے بعد وَأَخُوْهُ میں بنیامین کا نام نہیں لیا، کیونکہ بلاضرورت حسد کے وقت نام لینا گوارا نہیں ہوتا، اس لئے ہمارا بھائی نہیں کہا وَأَخُوْهُ ''اس کا بھائی'' کہا، پھر ضمیر لائے، کیونکہ اس سے قبل یوسف کا ذکر آچکا ہے، دوبارہ لانا ان کو ناگوار تھا۔ اور جب دو مائیں ہو جائیں تو ایسا حسد ہو جانا بعید بات نہیں کہ دوسری ماں کے بھائی کو بھائی کہتے ہوئے بھی جھجک ہوتی ہے

اور حقیقی بھائی ایک جانب ہوجایا کرتے ہیں۔

أَحَبُّ إِلَى أَبِينَا ہمارے والد کو اس سے محبت زیادہ ہے، یہ نہیں کہا کہ ہم سے بالکل محبت نہیں ہے، اس کا تو اقرار ہے کہ ہم سے محبت ہے، مگر ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں، ازدیادِ محبت کی نفی کی ہے، آخر کو تو پیغمبر تھے اور اس کے تو بھائی بھی مقرّ ہیں کہ اختیاری حقوقِ واجبہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی، کھانے پینے، روٹی کپڑے میں سب کو برابر رکھتے تھے، ورنہ یوں ہی کہتے کہ ان کھلاتے پلاتے زیادہ ہیں، یہ نہیں کہا، محبت زیادہ ہونے کی شکایت کی اور ازدیادِ محبت غیر اختیاری فطری امر ہے، اس پر کوئی مؤاخذہ عند اللہ نہیں ہے، چونکہ حسد ہوگیا تھا اور محسود کی بھلائیاں حاسد کے ذہن سے نکل جایا کرتی ہیں، ورنہ انکے أَحَبّ ہونے کا خیال کرتے کہ یہ سب سے چھوٹے ہیں، انکی والدہ گزرگئی ہے، والد صاحب ان کو ہونہار سمجھتے ہیں، ان کو صرف اپنا استحقاق ہی یاد رہا، وہ یہ کہ "وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ" ہم قوی جماعت ہیں، عصابة کے معنٰی پٹی کے آتے ہیں، گویا ہم پٹی کی طرح ملکر جماعت کی صورت میں مضبوط ہیں، سب کام انجام دے سکتے ہیں، لہٰذا ہم ہی أَحَقّ إِلَى الْمَحَبَّةِ ہوئے، بھائیوں نے اپنا أَحَقّ ہونا اپنے ذہن میں سمجھ لیا تھا کہ آخر یہ ہمارے بھی والد ہیں، پھر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

کچھ پسری پدری تعلقات ایسے ہوتے ہیں کہ اولاد کی طرف چنداں ایسی باتوں کی طرف التفات کم ہوتا ہے کہ پھر سمجھ جائیں گے، دوسروں کو جلدی سمجھا دیا کرتے ہیں، اس لئے خفیہ انہوں نے مشورہ کیا اور یکطرفہ فیصلہ کرلیا کہ "إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" ہمارے والد صاحب کھلی ہوئی غلطی پر ہیں۔ ضلال کے معنٰی خطا کے ہیں، والد کو اجتہادی غلطی لگ گئی ہے، کیونکہ اگر ضلال کے معنٰی گمراہ

کے لئے جائیں تو کفر لازم آتا ہے، اس قرینہ سے یہ معنٰی کرینگے کہ وہ خطا اجتہادی کرر ہے ہیں، اس میں إنّ لائے، گویا ان کے نزدیک یہ بات قطعی اور یقینی تھی، اپنے نزدیک بے شبہ بات کہہ رہے تھے پھر أبانا کہا، معلوم ہوا کہ ان کو والد کیساتھ دشمنی نہیں تھی، ورنہ "ہمارے" نہ بولتے، پھر لفی میں لام لائے، گویا ان کو ذرا بھی شبہ نہ تھا، تاکید کیساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے والد سے خطا ہورہی ہے، پھر مبین کہا کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، جو معلوم نہ ہو، بلکہ ظاہر باہر بات ہے، گویا انہوں نے آپس میں بالکل پختہ طے کرلیا، جو ہمارا خیال ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

سوال

حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب معلوم تھا کہ ان میں یہ کشمکش ہے، اور اس کی وجہ یوسف سے ازدیادِ محبت ہے تو اس کا بندوبست کیوں نہیں کیا؟

جواب

بھائیوں کی ایک طرف نگاہ تھی، یہ ان کی خود کی غلطی تھی، یعقوب علیہ السلام دونوں طرف نگاہ رکھتے تھے، یوسف علیہ السلام أَحَبِّيَّتْ کے مستحق تھے، پھر یہ ایک فطری، غیر اختیاری امر ہے، اسپر ملامت نہیں ہوسکتی۔

سوال

ان بھائیوں نے والد کو خطا کی طرف کیوں منسوب کیا؟

جواب

خطا سے مراد خطاءِ اجتہادی ہے، حالانکہ خود ہی خطا میں مبتلا تھے، ان کی والدہ

فوت ہوگئی، کمزور تھے، سب سے چھوٹے تھے، سب سے خوبصورت تھے، ہونہار تھے، یہ باتیں بھائیوں سے اَوجھل رہیں، اسلئے وہ حسد کر بیٹھے۔

ایک اسکول کے طلبہ سے خطاب

خطبہ ماثورہ: میرے عزیزو! میرے لئے یہ بڑا مسرت کا مقام ہے کہ میں اپنے نونہال بچوں کے سامنے تقریر کر رہا ہوں، تم قوم کی بنیاد ہو، آئندہ تم ہی اس عمارت کے اُونچا لیجانے والے اور اس میں بسنے والے ہو، وقت مختصر ہے اور دیکھا جائے تو ہر ایک کا وقت مختصر ہے، کچھ وقت گزر گیا اور جو کچھ باقی ہے، معلوم نہیں کب پورا ہو جائے، حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو ہر انسان کا وقت تھوڑا ہے، زندگی محدود ہے، اس زندگی میں جو مختصر ہے، سب سے زیادہ ضروری تعلیم کا مسئلہ ہے، عمر کو ضائع نہیں کرنا، اس کو ٹھکانے لگانا ہے۔

دو دن کی زیست میں کیا کیا کرے کوئی

کام زیادہ ہے، وقت کم ہے، یہ اتنا وسیع میدان ہے کہ ہر ایک کی پرواز ختم ہو جاتی ہے، مگر علمی پیاس ختم نہیں ہوتی، مجھے اس وقت علمی نکات میں سے سیرت کا ایک نکتہ بیان کرنا ہے۔

جس وقت مکہ کے سرداروں نے اور خواجہ ابوطالب نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ بت پرستی کے متعلق کچھ نہ کہا کریں، اس کے علاوہ اور سب باتوں میں ہم صلح کر لیں گے، اگر آپ کو مال و دولت چاہئے، حسن و جمال والی عورت چاہتے ہو، بادشاہت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب باتیں آپ کی پوری کریں گے مگر آپ ان بتوں کو بڑا کہنا چھوڑ دیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میرے بزرگ ہو، تم یقین کرو کہ جو کچھ میں لیکر آیا ہوں اور تم کو پیش کر رہا ہوں، ایسا تحفہ، نعمت و دولت کسی نے تم کو نہیں دی اور نہ دے سکتا ہے، سوچو اگر میں کوئی فریب کرتا تو کیا اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتا، اپنے ہی بھائی بھتیجوں پر ظلم کرتا، اگر جھوٹ بولنا ہی مقصود ہوتا تو کیا اپنے بڑوں کے سامنے بولتا اور ان ہی سے دغا کرتا، سوچو میں کیا کہتا ہوں، میں وہ چیز لیکر آیا ہوں کہ تم کو کسی نے آج تک نہیں دی ہے۔

اور یہی تعلیم و احکام واسطہ درواسطہ ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے ان کو تسلیم کرلیا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، سب ہی دیکھ رہے ہیں، سورج، چاند، باران، ہوا، پیداوار، نکاح، توالد سب ملکر ایک کارواں چل رہا ہے، اب سوچنا یہ ہے کہ اس کارخانے کو چلا کون رہا ہے؟ وہ نظروں سے اوجھل ہے، اس کو میں واضح کرنا چاہتا ہوں۔

مثال کے طور پر یہ لاؤڈ اسپیکر میری آواز دور دور تک پھینک رہا ہے، یہ قمقمے جل رہے ہیں، پنکھے چل رہے ہیں، سب دیکھ رہے ہیں، ان کے چلانے والا کون ہے؟ تو عقل نے کہا: بجلی چلا رہی ہے، بجلی کہاں سے بنی؟ انجن سے، انجن کہاں سے آئے؟ بھاپ سے، بھاپ کس طرح بنی؟ پانی اور تیل سے، پانی اور تیل کس نے بنایا؟ عقل لاجواب ہے، کہیں گے: اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، یہ کپڑے کا کارخانہ چل رہا ہے، بجلی دکھائی نہیں دیتی، مگر مانتے ہیں کہ پاور ہاؤس سے بجلی آرہی ہے، اگر بجلی نہ آئے تو سب سامان اکارت ہو جائے، بے کار ہو جائے، پاور نہیں تو کھمبا بھی بے کار ہے، بجلی کا پاور دکھائی نہیں دیتا، مگر مانتے سب ہیں کہ یہ سب اسی کی کارفرمائی

ہے، یہاں تو سائنس کام کرتی ہے، آگے پوچھئے کہ یہ پاور کہاں سے آیا؟ یہ طاقت کس نے پیدا کی؟ پانی کی قوت سے ہوئی؟ پھر سوال ہے کہ یہ پانی کس نے پیدا کیا اور اس پانی کے ٹکراؤ میں اتنی قوت کس نے رکھی ہے؟ یہ کسی انسان کے بس کا نہیں ہے۔

جس طرح ایک گنوار، قمقمہ کے نور کو اسی کا نور سمجھتا ہے، لیکن سمجھدار آدمی کہہ سکتا ہے کہ قمقمہ کا خانہ زاد نور نہیں ہے، یہ پاور ہاؤس کی مہربانی ہے، اگرچہ پاور دکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں، جو حکماء ہیں کہ اس مخلوق کی طاقت سے آگے بڑھ کر یہ تمام اشیاء پیدا کس نے کسی ہیں؟ ہوا، پانی، کس طرح بنا اور کس نے بنایا؟ یہ کہاں سے آیا؟ جب اس جگہ پہنچو گے، تب حقیقت کھلے گی اور معلوم ہوگا کہ یہ سارا دھندا ایک مخفی طاقت سے ہو رہا ہے، اس طاقت وقدرت والے کو بتانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس مخفی طاقت کا نام ''اللہ'' ہے، اس کے حکم سے یہ سارا جہان چل رہا ہے، عقل کی پرواز وہاں تک نہیں ہے، سائنس وعقلیات کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر کے صحیح طریقے سے جوڑ دے، باقی ان اشیاء کا پیدا کرنا، عناصر اربعہ کا پیدا کرنا، سائنس کا کام نہیں، جہاں تک عقل کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، اس سے آگے چلو، آخر ماننا پڑے گا کہ خدا کی طاقت موجود ہے، وہی کارساز ہے۔

میں نے یہ آیت پڑھی ہے ''وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْأَرْضِ'' یہ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے، سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے، اس کارخانۂ دنیا میں

اس کے مالک کا ایسا مستحکم نظام چل رہا ہے جو سوائے اس کے اور کوئی توڑ نہیں سکتا، انسان سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ کر رہا ہوں، یہ سورج بھی ایک مشین ہے، مشین انسان کی بنائی ہوئی گھس جاتی ہے لیکن یہ اللہ کی بنائی ہوئی مشین ہے، مجال ہے جو ایک سیکنڈ کا بھی فرق ہو جائے، ابتدائے آفرینش سے اب تک کوئی فرق نہیں آیا، اگر انسان بناتا تو اس میں مرمت ہوا کرتی کہ کل آٹھ دن کیلئے سورج مرمت کے لئے جائے گا، یہ بھی ایک پرزہ ہے کہ سوچو یہ آفتاب خود نہیں چل رہا ہے، بلکہ اس کو کوئی چلا رہا ہے، اس محکوم پر تیری نگاہ ٹکی اور اس کے حاکم سے غافل ہو گیا۔

ہاں انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس نظام کو توڑ کر دکھایا جاتا ہے، وہ اس نظام کو ختم کر دیتے ہیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ نظام ان کا خانہ زاد نہیں ہے، ان کی خود کچھ حقیقت نہیں ہے، یہ محکوم ہے، یہ کسی اور کے ہاتھ اور طاقت کے زیر فرمان ہیں، چاند کے دو ٹکڑے کئے، سورج چھپ کر واپس آ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو حکم دیا "یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ" نظام یہ ہے کہ آگ جلایا کرتی ہے، مگر یہ نظام یہاں توڑ دیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان پر اور کوئی قادر ہے، پانی نے فرعون کو ڈبویا "اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا" یہ اس کا نظام تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کیلئے اسی پانی نے راستہ دیا، معلوم ہوا کہ پانی پر ایک حاکم ضرور موجود ہے، حضرت جامیؒ نے کہا ہے۔

ہم اندر ز من ترا ز نیت کہ
تو طفلی و خانہ انگین است

یہ سارا کارخانہ اور کاروبار چل رہے ہیں تو کون چلا رہا ہے؟ اس بات کو انبیاء

بتلاتے ہیں، آج کل کے بڑے بڑے عقلمند اس سے آگے نہیں بڑھتے کہ رنگین قمقموں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

خلق ہمہ اطفال ند جز مرد خدا

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا اصل مشن یہی ہے کہ آپ کو اس جہان کے چلانے والے سے روشناس کرائیں، بیشک دنیا ترقی کر رہی ہے، کرے گی اور ہر دور میں ترقیاں ہوتی رہی ہیں، مادی ترقی اس وقت انتہائی عروج ہے، مگر نبی کریم ﷺ کا فرمانا ہے کہ مادیات ہی میں نہ رہ جاؤ، آگے بڑھو، اس مادہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اس پانی میں رطوبت اور آگ میں سوزش کون پیدا کرتا ہے؟

انسان دو چیز سے مرکب ہے، روح اور جسم، اگر انسان میں روح نہ رہے تو یہ ڈھانچہ ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں، زمین میں گاڑ دینے کے لائق ہے، دنیا اس مادہ میں سارا زور لگا رہی ہے، جو فانی ہے، اور مادہ وجسم کے خالق سے الگ ہو گئے، نبی کریم ﷺ نے آکر اصل حقیقت کو بتایا کہ یہ برق، بھاپ جو آپ کے سامنے ہے، یہ ان کے پیدا کرنے والے کے پیدا کرنے سے وجود میں آیا ہے۔

رہا کھانا پینا، سونا جاگنا، یہ تو جانور بھی کرتے ہیں، مادی جتنی بھی ترقی کریں گے، اتنے ہی ہوشیار جانور ہو جائیں گے۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

اونی کپڑا، جائے رہائش، یہی مقصد زندگی ہے تو گائے، بھینس، بیل ہم سے زیادہ ادھر مائل ہیں، مادہ اور مادی ترقیات جس کا حاصل اس جسم کو آرام دینا ہے،

اس کا خلاصہ بدن کو آرام دینا، بدنی خواہشات کو پورا کرنا کہ وہ بآسانی پوری ہوسکیں، یہ تو ایک جانور، بکری، گھوڑا بھی کرتا اور چاہتا ہے۔

انسان کیا ہے؟ اس کو نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے، انہوں نے واقعی ایسا تحفہ دیا ہے جو کسی نے نہیں دیا، آج کل کی ترقی انسانی ترقی نہیں، حیوانی ترقی ہے، انسانی ترقی یہ ہے کہ اس مادے کو پیدا کرنے، اس کو چلانے والے کو پہچانے، جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے، انہوں نے انسانیت جتلائی، دنیا کو دعوت دی، انسان کو واقعی انسان بنایا۔

مادیت کی بہت بڑی دوڑ یہ ہے کہ چاند میں چلا جائے اور کہیں چلا جائے، لیکن اس سے اپنا انجام تو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا آخر انجام کیا ہے؟ میں یہاں کیوں ہوں؟ کہاں سے آیا اور کہاں جانا ہے؟ کھانا پینا ہی مقصد ہے، یہ تو جانوروں کو بھی حاصل ہے، آپکو کارخانوں پر ناز ہے، مگر خدائے تعالیٰ نے ان جانوروں میں سے ایسے جانور ہیں کہ ان کو سوسو روپے کی کمائی دے رکھی ہے، اس سے تم ٹوپی بناتے اور سر پر اوڑھتے ہو، جانوروں کو مفت دیدی اور تم کو مشکل سے ملتی ہے، اگر آپ کی زندگی کا مقصد کھانا پینا ہی ہے تو جنگل میں جائیے، آپ سے ان مقاصد میں جانور اچھے ہیں، کیونکہ ان جانوروں کے مکان دیکھ کر آپ مکان بناتے ہیں، ان کی ساخت دیکھ کر آپ ایجادات کرتے ہیں۔

شہد کی مکھی چھتہ بناتی ہے، اس کو پیمائش کر کے دیکھا مسدس و مخمس خانے کیے، ہموار اور یکساں ہوتے ہیں، بڑے بڑے انجینئروں کی تعمیر میں فرق آجاتا ہے، مگر مکھی کے مخمس کتنے صحیح ہوتے ہیں! سو اٹھنا بیٹھنا، مکان بنانا یہ تو حیوانات

کا کام ہے، یہ انسان کی نہیں، جانوروں کی ترقی ہوگی، مادی تعلیم حیوانی تعلیم ہے، اصل تعلیم تو وہی ہے جسے رسول کریم ﷺ لیکر آئے۔

تو انسان ہے، ہاتھی، بیل، بکری نہیں ہے اور ان کی ہیئت شکل وصورت تجھ سے بالکل مختلف ہے، تو مخدومِ کائنات ہے، تو ان سے اُوپر دوسری ہستی خالقِ کائنات کا خادم ہے، اس نکتہ کو تمام کلام پاک میں بیان کیا ہے، یہ دنیا کے عام رفامروں کا طریقہ نہیں ہے جو معمولی جزئی بہبودی کو سامنے رکھ کر کام کرتے ہیں، نبیِ کریم ﷺ وہ طریقہ لیکر آئے کہ اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا، آج دنیا بے چین ہے، جرائم بڑھتے چلے جارہے ہیں، روکنا چاہتے ہیں، دنیوی قوانین ٹوٹ جاتے ہیں اور جرائم باہر نکل جاتے ہیں، جتنی قانون سازی ترقی پر ہے، اتنی ہی جرائم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہ قانون دراصل قانون ہی نہیں ہیں، ان جرائم کے انسداد کا صرف ایک ہی قانون ہے جسے اسلام کہتے ہیں، ورنہ غیر اسلام کا حال سامنے ہے

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

رسولِ کریم ﷺ یہ لیکر آئے کہ خدا کو پہچانو، اس کو مانو، اس کو مان کر اس کے بھیجے ہوئے احکام سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ یورپ دہریہ پن اختیار کر کے ترقی کررہا ہے، وہ ترقی کیا ترقی ہے کہ دل کو چین نصیب نہ ہو، ترقی کا ماحول تو یہ ہے کہ دل کو سکون واطمینان ملے اور وہی نہ ملا تو یہ کیا ترقی ہوئی؟ زحمت ومشقت ہے اور کچھ نہیں، دیکھ لو کسی ملک کو چین نہیں ہے، خروشیف ہو یا کینیڈی ہو، راحت وچین اگر ہے تو وہ صرف اسلام میں ہے، چاہے چاند چھوڑ کر آسمان میں چلے جائیں، راحت وسکون حضور اکرم ﷺ کی تابعداری میں ملے گا، تمام حوادثات دہر کیلئے رسولِ کریم ﷺ کا پیغام کافی ہے، ان ترقیوں میں کبھی بھی چین وسکون

نہیں ملے گا، دیکھ لو جب بھی رسول کریم ﷺ کے اُصولوں کو لوگوں نے اپنایا ہے، سکون وراحت میں رہے، جب چھوڑا، سکون سے محروم کر دیا گیا، انسان ہی نہیں، درندوں اور مویشیوں کو اطمینان ملا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھیڑیا اور بکریاں ایک جگہ بیٹھی رہتی تھیں اور ایک دوسرے سے بالکل مطمئن تھے، چین اسی کا نام ہے کہ ایک دوسرے سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے، یہ تعلیمِ نبوی میں ہے۔

اہلِ اسلام کی نگاہ میں مادیات کی قدر نہیں، اخلاقیات کی قدر ہے، دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں انکے پاس مالِ غنیمت آیا، سونا، چاندی، جواہرات کا ڈھیر لگا ہوا تھا، مسجدِ نبوی کا صحن بھرا ہوا تھا، وہیں بیٹھے بیٹھے سارے کا سارا تقسیم کر دیا، اگر جمع کرتے تو سونے کی دیوار کھڑی کر لیتے، اس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھی، اس لئے تقریر کی اور کہا کہ اے لوگو! یہ اللہ کا مال ہے، اس کا وہی مالک ہے، حسبِ ضرورت تم لیجاؤ، نقد ہے، آج کل کی طرح وعدہ کر کے چیک نہیں دیا گیا۔

آج کی دنیا جو ہیرے جواہرات میں کھیلتی ہے اس ملک میں جا کر دیکھو، وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ضرورتمندو! جتنی ضرورت ہے، لے جاؤ، ہر ملک والوں کا یہ حال ہوگا، کٹ مرینگے، یہ مہذب دنیا قتل ہو جائے گے۔

حضرت عمرؓ اعلان کرتے ہیں اور لوگوں میں سناٹا ہے، غرباء حاجتمند بھی ہیں، مگر لینے والا کوئی آگے نہیں بڑھتا، دوبارہ اعلان کیا، تیسری بار اعلان کے بعد ایک نوجوان کہتا ہے: اے عمر! آپ نے کہدیا کہ لے لو، تمہارا حق ہے، تو کیا ہم

سب کے سامنے بے غیرت بن کر اُٹھانے جائیں، آپ امین ہیں، آپ کا کام ہے کہ خود پہنچائیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری کیا حاجات ہیں؟ آپ امیر المؤمنین ہیں، آج کا بادشاہ ہوتا تو ایسے شخص کو حکم عدولی کے الزام میں پھانسی دیدیتا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری رعیت کا جائزہ لیا اور حاجتمندوں کے گھر پہنچایا، آخر یہ تہذیب کہاں سے آئی؟ آپ سمجھے! پورے مجمع اور حضرت عمرؓ پر اسی تعلیم کا اثر ہے۔

بیشک مادے کی جتنی ضرورت ہے، اسے ضرورت کے مطابق کام میں لاؤ، کون روکتا ہے؟ میں اس سے غافل نہیں کرتا، موافقت کرنا ضروری ہے، اتنا کام کرو۔

مسٹر گاندھی نے لکھا تھا کہ کانگریس کو چاہئے کہ ابوبکر و عمر کی سی حکومت کرے۔ ایک ہندو ہو کر یہ کہا کہ اس سے بہتر حکومت نہیں ہو سکتی، نہ ان کے پاس بم تھے، نہ اتنی آبادی تھی، اس لئے میں کہتا ہوں کہ فلاح و نیکی کی طرف آؤ اخلاق حاصل کرو، آخرت کی پکڑ اور آخرت کی جوابدہی سے ڈرو۔

انسان تو درندے بن گئے، تم قانون بناؤ، مگر چلانے والے درندے ہوں تو وہ قانون کیسے چل سکتا ہے؟ جب دل میں خدا کا خوف نہ ہوگا، قانون کیا کرے گا؟

نبی کریم ﷺ نے اس پر زور دیا کہ انسان، انسان بنے، جب یہ انسان بن جائے گا، امن و چین خود آ جائے گا، انسان ہوتا وہی ہے جو دوسرے کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ پہنچائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جن کو ''حجۃ الاسلام'' کہنا صحیح ہے، ان کے پاس اسلام

کی حقانیت کے دلائل ہیں، اگر اسلام میں کوئی کسر ہوتی تو غزالی ورازی اسلام میں نہ آتے۔

اے عزیزو! انسان ہونا تو بڑی چیز ہے، جانوروں کو دیکھو، وہ نفع ہی پہنچاتے ہیں، گھوڑا اسواری دیتا ہے، گائے، بکری دودھ دیتی ہے، بیل ہل چلاتا ہے، اُونٹ بوجھ اُٹھاتا ہے، ان کا گوشت کھاتے ہیں، انکی کھال، ہڈی اُون سے نفع اُٹھاتے ہیں، زندہ ہوں تب نافع، مردہ ہوجائے تب بھی فائدہ مند۔

دوسری قسم کے ایسے جانور ہیں جو انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سانپ، بچھو، درندے، لیکن ان سے پھر بھی نفع ہے، ان کے اجزاء بھی انسان کے کام آتے ہیں، لیکن تیسری قسم کے وہ جانور ہیں کہ نہ ان سے نفع ہے نہ ضرر ہے جیسے حشرات الارض، ان کے تو نام بھی معلوم نہیں، کیچوے، مکوڑے، نہ ان سے نفع ہے نہ نقصان، مگر انسان کے کسی حیثیت سے کام ضرور آتے ہیں۔

ان جانوروں کو انسان نفع مند بناتا ہے، ان سے فائدہ اُٹھاتا ہے مگر خود انسان جانور، درندہ بننے کی فکر میں ہے، اب ساری فکر یہی سوار ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان ملے، کمیونزم کا خلاصہ یہی ہے، انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں: یہ تو ایک جانور کا کام ہے۔

انسان تو وہ تھے، ان کو کہا جاتا ہے کہ سونا لے لو مگر نہیں لیتے، اور اب اسی سونے کا ہونا معلوم ہوجائے تو چوری کریں گے یا ڈاکہ ڈالیں گے، قتل کردینگے، یہ تعلیمات ہی کا اثر ہے، اگر وہی اسلام کا قانون آجائے تو انسان، انسان بن جائیں، پھر قوانین کے بغیر چین آجائے۔

آپ کی اس تعلیم میں جسے مادی تعلیم کہا جائے، جب تک رائج رہے

گی، انسان کو آرام وچین نہیں ملے گا، مادہ ہی کی طرف نگاہ مرکوز ہوگئی ہے، پھر کوئی سا افسر تبدیل کرو، چین نہیں آئے گا، بے چینی بڑھتی چلی جائے گی۔

جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں، مبارک ہو، مادیات میں لگو، مگر اسے اپنی حد پر رکھو، اور اس سے ایک قدم اور آگے بھی پڑھو، وہ مختصر یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو، الفاظ ہی کی کرو، اسے فرض و لازم کرلو، آج کل نئی روشنی نے تلاوتِ قرآن پر بھی ظلم کیا ہے، ان کو یہ سمجھا دیا کہ بغیر معنٰی سمجھے رَٹنے سے کیا فائدہ؟ اللہ کی کتاب کو اور کتابوں پر قیاس نہ کرو، حقیقت کو نہیں سمجھتے تو مان ہی لو، اس قرآن کے تو الفاظ میں بھی نُور ہے، اور معنٰی تک تو الفاظ ہی کے ذریعہ پہنچتے ہیں، آخر ان الفاظ نے کیسا انقلاب عظیم پیدا کیا، کتنی فتوحات ہوئیں ہیں، آپ تلاوت کر کے دیکھیں، آپ کے دل میں ایک نور پیدا ہوگا، سکون ہوگا۔

یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا تحفہ ہے، اتنا بھی غنیمت ہے کہ اسے جلسوں میں پڑھ لیتے ہیں، اس تعلیم کا اثر یہ ہے کہ فجر کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں، پھر تلاوت قرآن مجید کرتے ہیں، اس نئی تعلیم کا اثر یہ ہے کہ نو بجے سو کر اُٹھتے ہیں، پھر ڈان پڑھتے ہیں، اگر اتنا کام کرلیا کہ قرآن مجید کی تلاوت آپ کرلیا کریں تو یہ جلسہ کامیاب جلسہ ہوگا، اب دعا کرتا ہوں۔

ملفوظات

رمضان شریف کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے "صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَ مَرَدَۃُ الْجِنِّ" سوسرکش شیاطین وجن قید کئے جاتے ہیں، شتونگڑے نہیں، یہی ریشہ دوانی کرتے ہیں۔

(ا)...شیطان الجن قید ہوتے ہیں، شیطان الانس نہیں ہوتے۔

حدیث میں ہے: ”فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ أَبْوَابُ النِّيْرَانِ“

أبواب الجنّة سے مراد أبواب الخير ہیں،

لِأَنَّ الْجَنَّةَ مَقَامَ الرَّاحَةِ وَ الْأَمْنِ وَ الْخَيْرَاتِ، وَ هٰذِهٖ أَبْوَابُ الْخَيْرِ مُوْصِلَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ، وَ الْمُرَادُ مِنْ تَغْلِيْقِ أَبْوَابِ النِّيْرَانِ أَبْوَابُ الشَّرِّ، لِأَنَّهُنَّ مُوْصِلَةٌ إِلَى النَّارِ.

اور اسی کا اثر ہے کہ رمضان المبارک میں مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں، تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے اور ایام کی بنسبت معاصی بھی کم ہو جاتے ہیں۔

مجلس مبارک ۱۳۸۲ھ

یکم رمضان المبارک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنوفزارہ کے ایک بدوعرب نے حضور اکرم ﷺ کو ہدیہ میں ایک ناقہ دی، آپ نے قبول فرمالی، مگر آپ کی عادتِ مبارک تھی کہ ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور یہ سنّت ہے کہ ہدیہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ دیدیا جائے، ناپ تول کر پورا پورا نہ دیں، کم وبیش ہوسکتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس بدوی کو کوئی ہدیہ دیا تو وہ ناراض ہوگیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہدیہ کے لینے دینے میں برابری نہیں ہوتی، ہاں توجہ اور خیال اس مودت کا حق ہے، اس کی ناراضگی دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ آئندہ قبیلۂ انصار، قریش، دوس اور ثقیف ان چار قبیلوں سے ہدیہ قبول کیا کروں گا، یہ چاروں قبائل شرفاء شمار ہوتے تھے اور مکافات میں تھوڑے ہدیہ کو خوشی سے قبول کرتے تھے، ناراض نہ ہوتے تھے، اس لئے ان کی تخصیص کی۔

بہر حال! مھدیٰ إلیه انتظار نہ کرے کہ جب اتنے ہدیہ کا انتظام ہوگا، تب دوں گا، جو خوشی سے دینا چاہے، دیدے اور مُھدِیٰ مکافات میں آنے کا انتظار نہ کرے، آئے تو انکار نہ کرے، کیونکہ بطیبِ خاطر کوئی دے، تو ہدیہ قبول کرنا سنّت ہے، حدیث میں ہیں "تَهَادُوْا تَحَابُّوْا" گویا ہدیہ دینا اور ہدیہ قبول کرنا دونوں باعثِ ثواب ہیں، جب قبول کرنا ثواب ہے تو انکار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

لے لینا کم از کم باعثِ برکت تو ہے، اس حدیث میں ہے کہ آئندہ کے لئے آنحضرت ﷺ نے چار قبائل کے علاوہ ہدیہ لینے سے انکار کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ عبادت غیر مقصودہ میں غلطی اور فساد شامل ہو جائے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے، ترک کرنے میں کوئی گناہ نہ ہوگا، اس لئے ولیمہ کی دعوت قبول کرنا سنّت ہے، لیکن اگر وہاں منکرات ہوں، شرع کے خلاف کام ہوں، تو اس دعوتِ ولیمہ کو چھوڑ دینا چاہئے، بیشتر ان دعوتوں میں بدعات و منکرات شامل ہوگئی ہیں، اس لئے یہ دعوت ہی قابلِ ترک ہیں۔

اسی طرح محفلِ میلاد ایک طاعت و کارِ ثواب ہے، آپ کے حالات، عادات بیان کرنا عین اسلام ہے، مگر اس میں خرافات ہونے لگیں، گانا بجانا، عورتوں کا اجتماع، موضوع روایات کا پڑھنا، جن کا پڑھنا اور سننا حرام ہے، کیونکہ حدیث میں ہے "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹی حدیثیں بیان کرنا اور ان کا سننا دونوں گناہ ہیں، اور ناجائز ہیں، اس لئے صحابہ و سلف کا طریقہ جہاں تک ہوا ہے وہ یہی کہ حدیث کے الفاظ نقل کرتے تھے، مفہوم اور معنٰی بیان کرنے کا دستور نہیں تھا، اور الفاظ بھی بہت احتیاط کیساتھ نقل کرتے تھے اور وجہ اس کی یہی وعید ہے۔

اب واعظ پیشہ وروں نے ٹھیکہ ہی لے رکھا ہے کہ موضوع روایات ہی بیان کرتے ہیں، جب تک وہ گھڑی ہوئی روایات نہ سنالیں، ان کو مزا ہی نہیں آتا، کیونکہ ان کا مقصد تو مجمع کو گرمانا ہوتا ہے۔

یہ آج کل جو شیخ احمد کے نام کا وصیت نامہ چھپ کر تقسیم ہو رہا ہے، یہ بھی ان ہی

موضوعات میں داخل ہے، اس سے ڈرنا چاہیئے، بچہ مرے گا، نقصان ہو جائے گا، یہ سب لغویات ہے، اور نیک کام تو کرنے ہی چاہئیں، بھلا جو بات آپ نے یَقْظَہ (بیداری) میں فرمائی ہے، اسکے خلاف خواب میں کیسے فرما سکتے ہیں؟

اس قسم کی جہالت کی باتوں سے گرما دینا ہی مقصود ہے، اور جاہل تو جہالت ہی کی باتوں سے راضی ہوتے ہیں، میلاد میں بھی ناجائز باتیں شامل ہوگئیں، اس لئے اسے روکدیا گیا ہے اور کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا ناجائز نہیں ہے، مگر اس کو فرض قرار دینا، جس کھڑے ہو کر پڑھنے کو اللہ نے واجب نہیں کیا، تم کون ہو کہ اسے واجب سمجھو، اور اس پابندی سے کرنے کا حکم نہیں آیا، یہ پابندی کرنا گناہ ہے، پھر اس سے صرف نام و نمود اور رونق کرانا مقصود رہ گیا ہے، اس لئے وہ قابلِ ترک ہو گیا۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول کرنے کو روک دیا، اس سے ایک شرعی قاعدہ ثابت ہوا کہ وہ کام فرض، واجب، سنتِ مؤکدہ نہیں ہے، مستحب ہے، اس میں مفاسد شامل ہو جائیں تو فرض و واجب کو باقی رکھ کر ان مفاسد کی اصلاح کی جاویگی، مثلاً اذان کے اندر درود و سلام شامل کرلیا تو اذان ترک نہ کریں گے، بلکہ اصلاح کریں گے کہ درود و سلام تمہارے اختیار میں نہیں ہے، جہاں تمہارا جی چاہا، وہاں لگا دیا، ہمیں تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے، اور لوگوں سے ان ہی کی اتباع کرانی ہے نہ کہ ان کو چھوڑ کر ان کے طریقہ کے خلاف اپنی اتباع کرانی ہے، اس طرح نکاح مقصودِ شرعی ہے، اس میں رسوم ملالی جائیں گی تو نکاح کو ترک نہ کرینگے، بلکہ رسوم کی اصلاح کرینگے، سو سننِ مقصودہ کو ترک نہ کرینگے۔

اب ہدیہ قبول کرنا سننِ مقصودہ میں سے نہیں ہے، عمر بھر نہ لو کیا حرج ہے؟ اس

میں مفاسد ہوں گے، ترک کردیں گے۔

حدیث

پچھلے انبیاء علیہم السلام کے جو کلمات منقول ہیں، وہ کچھ باقی رہ گئے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے زمانے تک آئے اور آپ کی زبان مبارک سے منقول ہوئے، ان میں سے ایک بات یہ ہے جیسا کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نبوّت کے کلمات میں سے تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ کلمہ ہے ''إِذَا مَا اسْتَحْيَيْتَ فَاصْنَعْ بِمَا شِئْتَ'' جب تجھے حیا نہ رہی تو جو تیرا جی چاہے کر، اس کے ظاہری معنٰی مراد نہیں ہیں کہ اجازت دی جارہی ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ حیا کرو! یہی برائیوں سے روکتی ہے، جب حیا ہی نہ رہی تو اچھا برا ہی دل سے نکل جاتا ہے، اس لئے حیا کو روک رکھنے کا حکم دے رہے ہیں۔

حدیث

''اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ ''سِتُّوْنَ''

شُعْبَة شاخ کو کہتے ہیں، ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں اور یہ کسی ایک حدیث میں اکٹھی نہیں ملیں گی، مختلف روایات میں متفرق بیان ہوئی ہیں، اس لئے بعض حضرات محدثینؒ نے جہاں اس شعبۂ ایمان کا ذکر آیا ہے، ان احادیث کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔

صحابہ وتابعین وسلف کو یہ باتیں سب زبانی یاد تھیں، اب حالت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی خالص اصطلاحیں بھی یاد نہیں رہیں، یہ سب ان جلسوں، جلوسوں کی برکت ہے، ان احادیث کو بیہقیؒ نے جمع کیا ہے۔

عربی کے نام ضرور لینا چاہئیں، پر ان کا مطلب سمجھا دیں، اس زباندانی کی رَٹ نے عربی کا ستیاناس مارا ہے، شکل تو مسلم وغیر مسلم سب کی یکساں ہو ہی گئی، اس عربی محاورے ہی سے مسلمان ہونا سمجھ لیتے، اب نام بھی لیں گے تو یہ ایم۔ اے ہیں، بی اے، بی ٹی ہیں، عربی کے نام سے تو ایک نور پیدا ہوتا ہے، جتنا اس سے دور ہوگا اتنی ہی نحوست ہوگی۔

أَفْضَلُهَا لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ

اس کلمہ کا اصل مفہوم کا اعتقاد کرنا اصلِ ایمان ہے، ہاں اسکا کثرت سے ذکر کرنا یہ ایمان کا شعبہ ہے، حدیث میں ہے:

"أَفْضَلُ الذِكْرِ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ" (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

افضل الذکر گویا لا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ ہی ہے، مگر دوسرا کلمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اسکے ساتھ ملاتا رہے، لیکن اوّل بھی یہی کلمہ ہو، آخر بھی یہ ہی ہو، اور بچے کو بھی پہلے یہی کلمہ سکھلاؤ، پھر آخر میں بوقتِ مرگ اسی کی تلقین کرو، حدیث میں ہے:

"مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"

اسلئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سوتے وقت آخر میں یہی کلمہ پڑھ کر سوئے اور جب بیدار ہو تو یہی کلمہ پڑھے اور جاگنے کی دعا بھی پڑھ لے، ان کو جمع کر لینا درست ہے، آخری کلمہ ہونے کے مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کو پڑھ کر مرنے والا خاموش پڑا رہے، اگر بول جائے پھر پڑھ لے، مرنا تو اختیار میں نہیں ہے، اس لئے پڑھ لینے کے بعد خواہ زندہ رہا مگر آخری کلمہ یہی منہ سے بات نکلی ہو۔

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کا وقت آخر ہوا، تو شاگردوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے

اس حدیث کی سند پڑھی، پھر کہا:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَآ إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ،

بس اتنا کہتے ہی موت آ گئی، باقی حدیث تو شاید فرشتوں نے پڑھی ہوگی، مگران کا خاتمہ لَآ إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہ پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: "جَدِّدُوْا إِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ، اس کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

أَدْنَا ھَا إِمَاطَۃُ الْأَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ

أذٰی وہ ناگوار بات جس سے تکلیف ہوجائے، ٹھوکر لگ جائے، کانٹا چبھ جائے، کانچ، ٹین، آگ، روڑا، پتھر، ایسی چیزوں کو راستے سے ہٹادو، یہ ایمان کا ادنی شعبہ ہے اور "اَلْحَیَاءُ مِنَ الْإِیْمَانِ" یہ درمیانی شعبہ ہے، جسکو حیا نہیں، اس میں ایمان نہیں، اگر حیا ہوتی تو ایمان ہوتا، حیا علامتِ ایمان ہے۔

اس حدیث میں تین شعبے بیان کئے ہیں، مگر امام بیہقیؒ نے مستقل ایک کتاب "شعب الإیمان" لکھی ہے، ان کے علاوہ اور محدثینؒ نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "فروع الإیمان" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اگر کوئی کتاب مطالعہ کرنی ہو تو کسی عالم دیندار سے مشورہ کرکے مطالعہ کرنا چاہئے، جاہلوں کی کتابوں سے بچنا چاہئے۔

حیا کی چھ قسمیں

ایک حیا یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے شرمائے، حیا کا مقتضیٰ یہی ہے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے جب ایسی بات ہوئی تو اللہ تعالیٰ سے حیا کی وجہ سے

چھپتے پھرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم سے کہاں بھاگو گے؟ عرض کیا: بھاگتا نہیں ہوں، حیا کرتا ہوں، فرار نہیں، حَیَاءً مِنکَ.

دوسری حیا تقصیری ہے، کام جس طرح کرنا تھا، اسطرح وہ نہیں ہوا، اس پر بھی حیا آنی چاہئے۔ ایک شخص نے ملنے کا وقت لیا، وقتِ مقررہ پر میں آ بیٹھا، مگر وہ نہیں آئے، چار بجے کا وقت دیا تھا، انتظار میں پانچ بج گئے، آخر انتظار کر کے چلا گیا، پھر دوسرے دن وہ تشریف لائے اور باتیں کرنے لگے، معذرت بھی نہیں کی، کہنے لگے: دیسی ٹائم ایسا ہی ہوتا ہے، منتظر نے کہا: ان کو حیا نہیں ہے، لہٰذا اس دروازے سے سیدھے نکل جاؤ، تمہارے اندر حیا نہیں، تم انسان نہیں ہو، آدمی کسی کام کا وعدہ کرے تو اس کا ایفاء کرے، ورنہ اپنی شرمندگی کا اظہار کرے، ورنہ تو ایمان و انسانیت کا تقاضا موجود نہیں۔

تیسری حیا کرم ہوتی ہے، یعنی آدمی شرافت کی وجہ سے شرماتا ہے، نہ اس کا کوئی گناہ ہے، نہ کوتاہی ہے، فقط کرامتِ نفس کی وجہ سے حیا آتی ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا تو ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد چند لوگوں نے لمبا کلام کرنا شروع کر دیا اور وہیں جم کر بیٹھ گئے، آیتِ حجاب ابھی تک نازل نہ ہوئی تھی، ورنہ آپ فرما دیتے کہ اب دیر ہو گئی ہے، جاؤ! مگر حیا کی وجہ سے آپ نے ان سے کچھ نہیں کہا، کسی سے میل ملاقات کرنی ہو تو فراغت کا وقت دریافت کرلو اور چلے جاؤ، دوسرے کو گرانی سے بچاؤ، اس کو گرانی ہوتی ہے مگر شرافتِ نفس کی حیا مانع ہے۔

حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ کر لگا رکھا تھا ''زیادہ دیر بیٹھ کر اپنا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ کیجئے'' اگر کوئی کام نہ ہو، بیٹھنا ہی ہو تو مسجد میں تسبیح لے

کر بیٹھ جاؤ۔

جب وہ حضرات بیٹھے ہی رہے اور حضور اکرم ﷺ حیا سے فرما نہ سکے تو آسمان سے آیت اُتری ”وَ إِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا“ یعنی دعوت کھانے کے بعد جم کر نہ بیٹھو۔

آج کل ایک دعوت چلی ہے، ایک گھنٹہ پہلے جاؤ، پھر دو گھنٹہ دعوت میں لگاؤ، ایک دعوت میں تین چار گھنٹے سے کم خرچ نہیں ہوتے، گپ شپ لگی رہتی ہے، یہ انسانوں کا کام ہے۔

چوتھی حیا وہ ہے جو ایسی چیزوں کے کہنے سننے سے جو میاں بیوی کے تعلقات میں ہوتی ہے، اظہار کرنے سے شرم آتی ہے، جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ان کو مذی کثرت سے آتی تھی، زوجہ سے ملاعبت کرتے وقت مذی آتی ہے، اس کا قانون معلوم نہیں تھا، اس کے نکلنے کے بعد غسل کرنا ہے یا وضو کافی ہے؟ اور سوال کرنا تھا آنحضرت ﷺ سے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ داماد تھے، خود یہ مسئلہ پوچھنے میں حیا آتی تھی، اس لئے دوسرے صحابی حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے کہا کہ تم پوچھ آؤ، چنانچہ حضرت مقدادؓ نے دریافت کیا اور حضرت علیؓ وہاں موجود رہے، آپ نے فرمایا کہ مذی مثل پیشاب کے ہے، وضو ہے، اس کے بعد غسل واجب نہیں ہوتا، ہاں کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے، سو بدن اور کپڑا دھو ڈالیں، اس کو حیا شرعی کہتے ہیں، یہ بھی محمود ہے، بعض لوگ حق کے اظہار کو عام کرتے ہیں، غلط ہے۔

پانچویں حیا اجلالی ہوتی ہے، کسی کو بڑا سمجھ کر اس سے حیا آتی ہے جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ کے حکم کے انتظار میں پر سمیٹے جھکے کھڑے ہیں، ان پر اللہ

تعالیٰ کے جلال کا غلبہ ہے۔

چھٹی حیا استحقار ہوتی ہے کہ کسی چیز کو حقیر سمجھ کر اس کے مانگنے سے حیا کرنا، مثلاً حضرت موسی علیہ السلام سے کسی نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ مجھ سے مانگو، مگر ایک ماشہ نمک کی حاجت ہے، کہتے ہوئے شرم آتی ہے، مگر حق تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ آٹے کا نمک اور بکری کا چارا بھی مجھ سے مانگو، وہ فی نفسہٖ تو حقیر شے ہے مگر اسکے پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے، اس چیز کی حاجت پیدا کرنے میں غایت درجہ کی عظیم حکمت ہے۔

ملفوظات

فرمایا: اولاد کی طبعی شرعی ضرورت میں جس قدر ایک پر خرچ ہوگیا، اتنا ہر ایک پر خرچ کرنا ضروری نہیں، مگر بیمار ہوا، علاج میں خرچ ہوگیا، تعلیم پر خرچ ہوا، اب سب پر برابر خرچ کرنا ضروری نہیں ہے، یا جو اولاد آئندہ بالغ ہوگی تو پھر مالداری رہے یا نہ رہے، حالات بدل جائیں، اور ہر ایک کی ضروریات زندگی الگ الگ ہوتی ہیں، لہٰذا عرفاً و عادۃً جو ضروریاتِ زندگی سمجھی جاتی ہیں، اس میں تسویہ ضروری نہیں ہے، جس کو جیسی ضرورت پڑے، حسبِ استطاعت پوری کردے، جہیز دینا سنت ہے، مگر اب آمدنی گھٹ گئی، پہلے کی شادی پر آمدنی زیادہ تھی، اسے زیادہ دیدیا، اب آئندہ اہتمام کرنا کہ اتنا ہی دیا جائے، ضروری نہیں، عرفی ضروریات میں بھی توسّع ہے، البتہ ہبہ کرے تو برابر ہبہ کرے۔

تمت بالخیر